TAMEER-E-HAYAT
ISSN - 2582-4619 - VOL 62 - ISSUE 20 - 25 AUGUST 2025

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

گلوبلائزیشن کا فریب

اس ترقی پذیر دنیا میں مادی عقل نے جو بنیادی تبدیلیاں پیدا کی ہیں، وہ یہ ہیں کہ عقل فوری طور پر حاصل ہونے والے نفع کی منطق کے تابع ہے، گلوبلائزیشن اور عالمگیریت کا نظام بہت سے خلافِ شرع تصرفات اور ایسے امور کا سبب بنا ہے، جن کا اخلاقی قدروں سے ذرا بھی واسطہ نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ہی بشری قوتوں اور انسانی وسائل کو استعمال کر کے اقتصادی اور تجارتی میدانوں میں خودسری اور ڈکیٹرشپ کا مزاج پیدا کرنے والی بے قابو خواہشات کا بھی باعث بنا ہوا ہے، گلوبلائزیشن کا نظام ایک منحرف آئیڈیالوجی اور نقطۂ نظر کے حاملین کے مخصوص گروپ ہی کی ذاتی مصالح کی تکمیل کرتا ہے، اور اس آئیڈیالوجی سے بہت سے سادہ لوح حضرات جو اسے معتبر گردانتے ہیں، دھوکہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

سالانہ زرتعاون ₹500

۲۵/ اگست ۲۰۲۵ء

فی شمارہ -/25₹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۲ | ۲۵/ اگست ۲۰۲۵ء مطابق یکم ربیع الاول ۱۴۴۷ھ | شمارہ نمبر ۲۰

اس شمارے میں

زوالِ امت کے اسباب	علامہ شبلی نعمانیؒ	۴
موسم ربیع اور ظہور قدسی	محمد عمیر الصدیق ندوی	۵
قرآن اور صاحبِ قرآن	حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۶
خاتمہ بالخیر سے محرومی کے اسباب	عبدالرشید راجستھانی ندوی	۸
سوال و جواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۹
قانونِ نصرت	مولانا محمد اجتباء الحسن کاندھلویؒ	۱۰
میاں بیوی کے حقوق	مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی	۱۳
دنیا کے عظیم انقلابات	انیس احمد ندوی	۱۵
بے حیائی اور اس کا سد باب	سید کلیم اللہ ندوی	۱۷
اسلامی نظام تکافل	منور سلطان ندوی	۱۹
تہذیبِ جدید کے اثرات	عبدالرحیم ندوی	۲۱
نسل نو کی تربیت میں گھر کا کردار	احمد الیاس نعمانی	۲۳
جنگِ آزادی کے گمنام مجاہدین	محمد ارشد ندوی	۲۶
غزہ - دورِ حاضر کا شعب ابی طالب	نعمان اختر ندوی	۲۹
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۳۰
غیر مسلموں سے تعلقات	محمد نفیس خاں ندوی	۳۲
انسان کا مقصودِ آفرینش	محمد جاوید اختر ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

محمد نفیس خان ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہو جانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/500	فی شمارہ -/25	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ $100

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ₹30/= جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

زوالِ اُمت کے اسباب

علامہ شبلی نعمانیؒ

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امر صریح
کہ زمانہ میں کہیں عزت اسلام نہیں

آپ چاہیں گے جہاں قوم کو پائیں گے ذلیل
اس میں تخصیصِ عراق و عرب و شام نہیں

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف الحال یہ لوگ
کوئی چیز ان میں جو ہو مشترکِ عام نہیں

ایشیائی ہے اگر یہ، تو وہ ہے افریقی
اور کوئی رابطۂ نامہ و پیغام نہیں

لالہ رخ یہ ہے تو زنگی و سیہ فام ہے وہ
یہ سمن بر ہے، وہ موزون وخوش اندام نہیں

اس نے گہوارۂ راحت میں بسر کی ہے عمر
وہ کبھی خوگرِ آسایش و آرام نہیں

وہ ازل سے ہے کمند افگن و شمشیر نواز
اس میں جز عیش کسی چیز سے کچھ کام نہیں

خوانِ ایواں سے بھی سیری نہیں ہوتی اس کو
اس کو گرنانِ جویں بھی ہو تو ابرام نہیں

اس نے یورپ کے مدارس میں جو سیکھے ہیں علوم
وہ ابھی ابجدِ تعلیم سے بھی رام نہیں

اس قدر فرق تفاوت پہ بھی ہے عام یہ بات
قوم کا دفترِ عزت میں کہیں نام نہیں

پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دیں
ہم مسلمانوں میں کوئی بھی صفت عام نہیں

ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
سببِ پستیٔ اسلام، جز اسلام نہیں

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

غور کرنے کے لئے فکر و تعمق ہے ضرور
منزلِ خاص ہے یہ راہ گزر عام نہیں

بحثِ مافیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں

آپ کھانے کو نیا دیتے ہیں پہلے مسموم
پھر یہ کہتے ہیں غذا موجب اسقام نہیں

اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں و کہیں نام نہیں

کون ہے شائبہ کفر سے خالی اس وقت
کون ہے جس پہ فریبِ ہوسِ خام نہیں

آستانوں کی زیارت کے لئے شدِ رحال
اس میں کیا شانِ پرستاری اصنام نہیں

کیجئے مسئلہ شرک نبوت پہ جو غور
کفر میں بھی یہ جہانگیری اوہام نہیں

اب عمل پر جو نظر کیجئے آئے گا نظر
کہ کسی ملک میں پابندیٔ احکام نہیں

اغنیا کی ہے یہ حالت کہ نہیں ہے وہ رئیس
جس کے چہرہ پہ فروغِ مئے گلفام نہیں

نص قرآں سے مسلمان ہیں بھائی بھائی
اس اخوت میں خصوصیتِ اعمام نہیں

یاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا ہے بھائی دشمن
کونسا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں

نہ کہیں صدق و دیانت ہے نہ پابندیٔ عہد
دل ہیں نہ صاف زبانوں میں جو دشنام نہیں

آیت فاعتبروا پڑھتے ہیں ہر روز مگر
علماء کو خبر گردشِ ایام نہیں

الغرض عام ہے وہ چیز جو بے دینی ہے
صاف یہ بات ہے دھوکہ نہیں ابہام نہیں

ان حقائق کی بنا پر سببِ پستیِ قوم
ترک پابندیٔ اسلام ہے، اسلام نہیں

اداریہ

موسمِ ربیع اور ظہورِ قدسی

محمد عمیر الصدیق ندوی

ربیع کے معنی سے عام طور پر واقفیت ہے کہ یہ لفظ موسم بہار یا موسم بہار کی بارش یا موسم بہار کی پیداوار کا مفہوم رکھتا ہے۔ لغت میں فراخی اور ارزانی کے موسم بہار کے لیے بھی اس لفظ کا ذکر ہے۔ اس جیسے دوسرے الفاظ کے معانی میں بھی بارش، خوشبو، میانہ قامتی جیسے مفہوم کا پتہ چلتا ہے۔

صفت موصوف کی جدت و معنویت لیے ہوئے قمری یا اسلامی مہینوں کے نام خدا جانے کس نے رکھے، لیکن اسم اور مسمی کی مطابقت اپنی انفرادیت اور وسیع تر معنویت اور حسن ذوق کے لیے واقعی داد کے قابل ہے، ربیع الاول یعنی بہار اولیں کا مہینہ تو اپنے معانی کی بے کرانی پر یقیناً سب سے زیادہ ناز کرنے کا حق رکھتا ہے کہ انسانیت کو ہمیشہ پُر بہار بنانے اور رکھنے والی نعمت کا وجود اس مہینے کی خاص صبح و شام کے نام ہوگیا۔ ایسی نعمت جو اولین انسانی وجود کی تمنا بنی اور پھر ہزاروں سال تک یہ انسانوں کے بہترین اور منتخب ترین نمائندوں کے دل اور زبان کی آرزوؤں میں شامل رہی، اس نعمت کی طلب کبھی دعاؤں میں اور کبھی بشارتوں میں ایک انتظار مسلسل کی بے مثال تڑپ بن کر ظاہر ہوتی رہی۔

زمین کے آسمانوں کو بھی انتظار رہا کہ کاملیت ، جامعیت ، اتمام نعمت اور خوشنودی حق کا اعلان جس وجود سے خاص ہے، ظہور اس کا کب ہوگا؟ نہایت پاک زبانیں، نہایت پاک دلوں کی ترجمان کس کے لیے تھیں کہ اے ساری کائنات کے رب، اپنی سب سے شاہکار تخلیق کو ابدی قدر و قیمت کے لائق بنانے والی ہستی کو سامنے لائیے، جو تیری نشانیوں کی حقیقت سے باخبر کردے، انسان کی شکل میں سب سے معزز تخلیق کو، وہ اپنے وجود کی برکتوں سے سنوار دے، الٰہیاتی نوشتے کی عبارتوں کو حل کرا سکے اور جو تخلیق انسانی میں شامل اور پوشیدہ ہر راز کی حقیقت سے آشنا کرادے، اور یہی نہیں ہر لاعلمی کو علم کی روشنی سے شفاف، ظاہر اور واضح کردے دعا، دعا کرنے والے اور جن کے لیے یہ دعا تھی اور کیا دعا تھی کہ دعا سننے والے نے اس پکار کی قبولیت کو اپنے احسان سے تعبیر کردیا۔ ربنا وابعث فیھم الخ سے لقد منّ اللہ علی المومنین الخ تک کی حقیقت کے لیے بے شمار سمندروں کا پانی بھی اگر قلم کی پیاس بجھانے کے لیے پیش کردیا جائے تو بھی اس حقیقت کے بیان میں تشنگی باقی ہی رہے گی۔

محمد رسول اللہ اور مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ أحمد والے انسانی وجود سے وقت کی جن ساعتوں نے پردہ ہٹایا اور یہ ساعتیں جس ماہ و سال کے نصیب میں آئیں۔ حق ہے کہ اس کو ساری انسانیت بلکہ کائنات کے لیے موسم بہار سے تعبیر کیا جائے۔ رمضان کو نیکیوں کے موسم بہار سے تعبیر کیا جاتا ہے تو نیکوکاروں کے صلہ اور انعام کا موسم بہار ظہور قدسی کے ایام کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ علامہ شبلیؒ نے خدا جانے کس عالم میں دل کی ترجمانی یوں کی تھی کہ:

فرشتوں میں یہ چرچا ہے کہ حال سرور عالمؐ　　دبیر چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے
صدا یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی　　کہ ہے یہ اور ہی کچھ چیز، لکھتے تو ہمیں لکھتے

حقیقت یہی ہے کہ حال سرور عالمؐ لکھنے اور بیان کرنے کے لیے انسان کا قلم و قرطاس ہمیشہ ناکافی اور بے بس ہی رہے گا لیکن یاد کرنے اور یاد رکھنے اور یاد دلانے کی لذت و کیف بھی قدرت ہی کی فیاضی ہے۔ یہ فیاضی اسی لیے ہے کہ حال سرور عالمؐ اور قال سرور عالمؐ سے محبت کرنے میں کوئی کسی سے کم نہ رہے۔ ساری محبتیں حد یہ کہ ماں، باپ سے محبت بھی شہ دیںؐ کی محبت کے سامنے کچھ نہ رہے۔ اصل محبت سرِ تسلیم خم کرنے اور خود کو اور اپنی ساری متاع حیات کو فدا اور نثار کرنے کا تقاضا رکھتی ہے۔ محبت یقین کے درجہ تک پہنچانے والے زینے کا نام ہے اور یقین کی دولت تک رسائی صرف محبت، فدائیت اور سب کچھ لٹا دینے کا نام ہے۔ الفاظ اپنی روح تک پہنچنے کی آواز دیتے ہیں کہ کوئی اپنے دعوائے یقین میں اس وقت تک پورا اتر ہی نہیں سکتا۔ جب تک ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اس کے اپنوں سے بھی بڑھ کر فدائیت کا ثبوت نہ دے۔ ربیع الاول کی آمد ہمیشہ کی طرح یاد دلاتی ہے کہ پڑھنے، سننے، سمجھنے، دل میں بسا لینے، زندگی کو جاننے، دنیا کو برتنے، آخری اور آخرت کی اصل زندگی جینے اور محبوب کے محبوب کی محبت کی لازوال نعمت کا حق پانے کے لیے اس کی سیرت کو سینے سے لگایا جائے، جس کے ذریعے ساری کائنات اپنے مالک کی مرہون منت ہے۔ لقد منّ اللہ علی المومنین کے الفاظ ہر انسان کو احسان شناس ہونے کا وہ احساس دلاتے ہیں جس کے بغیر ہمیشہ ہمیش کی زندگی اور ہر عذاب و عقاب سے محفوظ زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

سیرت طیبہ دراصل علم انسانی کے نصاب کا وہ بنیادی اور لازمی مضمون ہے جس کے بغیر اللہ کو مطلوب انسان کی ہر سند ناقص ہے۔ یہ حقیقت خاص طور پر علوم نبوت کے طالبوں اور شمع رسالت کے پروانوں کی نگاہ میں رہنی چاہیے۔ وہی نگاہ جو اقبال کے لفظوں میں نگاہ عشق و مستی ہے اور جس کی نظر میں وہی اول، وہی آخر، وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یاسیں، وہی طٰہٰ کی حقیقت سما جاتی ہے۔

تعلیم القرآن

قرآن اور صاحبِ قرآن

حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی

اس زمانہ کے فتنوں میں یہ ایک بڑا فتنہ ہے کہ حدیث کو قرآن سے الگ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ قرآن اور صاحبِ قرآن کی ذاتِ اقدس کو الگ کیا جاتا ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ڈاکیہ ڈاک پہنچاتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر کیا پیغام ہے؟ بس وہ ڈاک پہنچا کر چلا جاتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ! اللہ کے رسول ﷺ بھی یہی مقام رکھتے ہیں، گویا آپ نے کتاب دے دی مگر آپ کیا جانیں، اب خود غور کرو اور عمل کرو۔

یاد رہے کہ قرآن مجید میں درجنوں جگہ یہ بات آئی ہے کہ اگر تم نبی کی بات نہیں مانو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، ارشاد ہے:

”وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا“ [النور: ۵۴] (اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے)۔

یہاں تک آتا ہے کہ اگر تم نبی کی بات سے ہٹ کر چلو گے اور قرآن مجید کو اپنی رائے سے سمجھو گے تو تمہیں یہی قرآن مجید گمراہی کی طرف لے جائے گا، ارشاد ہے:

”يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا“ [البقرۃ: ۲۶] (اس کے ذریعہ سے وہ بہتوں کو گمراہ کرے گا اور بہتوں کو راستہ پر لے آئے گا)۔

جو لوگ قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں، قرآن مجید کی عظمت کو نہیں سمجھتے اور جو لوگ قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے جس طرح اس کی وضاحت فرمائی ہے، اس کے مطابق اس کا فہم حاصل نہیں کرتے اور اپنی رائے دیتے ہیں، حقیقت میں یہ سارے لوگ وہ ہیں جو گمراہی کے راستے پر پڑ جاتے ہیں۔ یہ اس زمانہ کے مختلف فتنوں میں ایک بڑا فتنہ ہے، اس وقت مختلف علاقوں میں بہت سے لوگ ہیں جو بہت اچھا لکھنے والے اور بہت اچھا بولنے والے ہیں، لیکن ان کو منزل کا پتہ نہیں ہے، وہ منزل سے بے خبر ہیں اور گاڑیاں دوڑا رہے ہیں، ظاہر ہے گاڑیاں دوڑانے سے منزل نہیں ملتی، پہلا مرحلہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنی منزل کا پتہ ہو، اس دور میں جو اچھا لکھنے اور بولنے والے ہیں، جو ہمارے نوجوانوں کو متاثر کرتے ہیں، نوجوان سمجھتے ہیں کہ ان کو جو فہم حاصل ہے وہ آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف خوبصورت اور ہموار سڑکوں پر گاڑیاں دوڑاتے ہیں، منزل سے بے خبر ہوتے ہیں، اخیر تک ان کو منزل نہیں ملتی۔ ہمیں اپنی منزل کو دیکھنا ہے، چاہے وہ سڑک ہموار نہ ہو اور ہمیں اس میں دشواری کے ساتھ سفر کرنا پڑے، لیکن ہمیں جہاں جانا ہے وہیں جانا ہے۔ اگر آپ رائے بریلی سے لکھنؤ کے روڈ پر ہیں اور آپ کو راستے میں کسی جگہ مثلاً تھولینڈی وغیرہ جانا ہے، جن میں سے بعض جگہوں کا راستہ خراب بھی ہے، اب آپ سوچیں کہ لکھنؤ کی سڑک تو بڑی اچھی ہے، اسی پر گاڑی دوڑاتے رہو، تو آپ لکھنؤ پہنچ جائیں گے لیکن تھولینڈی نہیں پہنچیں گے، آپ کو پھر واپس آنا پڑے گا، جہاں وہی ناہموار سڑک ہے اور اس پر چلنا پڑے گا۔ ہماری جو منزل متعین کر دی گئی ہے وہ ہمارے لیے متعین ہے، اس پر ہمیں چلنا ہے، چاہے اس پر اتنے اچھے بولنے والے اور اتنے اچھے لکھنے والے نہ ہوں، لیکن اچھا بولنا اور اچھا لکھنا ہدایت نہیں ہے، ہدایت یہ ہے کہ آدمی منزل تک پہنچے، جس کے متعلق ارشاد ہے:

”اهدِنَــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ“ [الفاتحۃ: ۵] (ہمیں سیدھا راستہ لے چل)۔

اللہ ہم کو اس منزل تک پہنچائے، اللہ ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے اور ہمیں لے جا کر وہاں پہنچا دے جو اصل ہے، اس کو ہمیں پیش نظر رکھنا ہے، اس زمانے کے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے، ہمارے اندر صلاحیت پیدا ہو، ہم سڑک ہموار کریں، ہمارے اندر بولنے کی صلاحیت ہو، لکھنے کی صلاحیت ہو، مختلف زبانوں کی مہارت ہو تا کہ ہم لوگوں کو منزل کا پتہ بتا سکیں، ورنہ آج جو لوگ ہیں وہ لوگوں کو گمراہی کے راستے پر لے جا رہے ہیں، اچھے اچھے لکھنے والے اور بولنے والے بڑے مفکرین سمجھے جاتے ہیں، لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کافی ہے اور ہمیں حدیث کی کیا ضرورت ہے؟!

اللہ کے رسول ﷺ نے پیشین گوئی کے طور پر یہ بات فرمائی کہ میں دیکھتا ہوں ایک دور آئے گا کہ لوگ گاؤتکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو قرآن کافی ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے حدیث وسنت کی؟ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لا ألفين أحدكم متكئاً علىٰ أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا ندري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه" [سنن أبي داود: ۴۶۰۷] (میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں اس حال میں کہ وہ اپنی مسہری سے ٹیک لگائے رہے اور اس کے پاس میرا فرمان پہنچے، جس میں میں نے کسی چیز کا حکم دیا ہو یا کسی چیز سے روکا ہو، تو وہ کہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے، ہم نے جو اللہ کی کتاب میں پایا اسی کی پیروی کی)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جوش کے ساتھ یہ بات بھی فرمائی:

"ألا إني أوتيت الكتاب ومثله معه، ألا يوشك رجل شبعان علىٰ أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن، فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه" [سنن أبي داود: ۴۶۰۶] (خبردار! مجھے قرآن اور اسی کے مثل (سنت) دی گئی ہے۔ خبردار! ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ ایک شکم سیر آدمی اپنی مسہری پر ٹیک لگا کر بولے گا کہ تمہارے لیے بس یہ قرآن کافی ہے، تم جو کچھ اس میں حلال پاؤ تو وہ حلال ہے اور جو کچھ اس میں حرام دیکھو وہ حرام ہے۔)

قرآن مجید بھی یہی بات کہتا ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا:

"وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا" [النور: ۵۴] (اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے)۔

ظاہر ہے اس کو کہنے کی ضرورت کیا تھی، اگر قرآن مجید ہی کافی تھا تو وہ یہ نہ کہتا بلکہ وہ یہ کہتا کہ تم قرآن کو دیکھو اور اسی پر عمل کرو، تم کو نجات مل جائے گی، لیکن اللہ کے نبی کے حکم پر چلنا اور اس کی طرف توجہ دلانا، اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ جب تک قرآن مجید کو فہم نبوت کے مطابق نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر اس کے مطابق عمل نہیں ہوگا، اس وقت تک آدمی صحیح راستے پر نہیں رہ سکتا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً [النساء: ۶۵] (بس نہیں آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلے پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سرِ تسلیم خم کردیں۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً" [النساء: ۸۰] (جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پھر گیا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی داروغہ بنا کر نہیں بھیجا)

اس طرح کی نہ جانے کتنی آیتیں ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول کی اطاعت کو لازم فرمایا ہے۔

یہ ایک بنیادی بات ہے اور اس کو سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کا فہم پوری طرح جب ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو منشا ہے، وہ قرآن مجید سے جو چاہتا ہے، وہ آدمی پوری طرح سے جب ہی سمجھ سکتا ہے، جب اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح بیان فرمایا اور جس طرح اس کی وضاحت فرمائی اس کے مطابق وہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرے، اگر ایسا نہیں ہوگا تو دین کی چھٹی ہوجائے گی، یہ پورا دین اور شریعت کا جو نظام ہمارے سامنے ہے، ہم اس کو اپنی اصل جگہ پر قائم نہیں رکھ سکتے، قرآن اصل اول ہے اور سنت اصل ثانی ہے، یہ دونوں بنیادیں ہیں اور انہی دونوں بنیادوں پر دین کا یہ پورا نظام ہے، جتنی بھی جزئیات ہیں اور قرآن مجید میں جتنے بھی احکام دیئے گئے ان کی تفصیلات ہمیں حدیثوں سے معلوم ہوتی ہیں، اگر یہ حدیثیں نہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ نہ ہو تو ہم کبھی بھی راہِ راست پر نہیں آسکتے۔ ۞۞

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از:- محمد سمعان خلیفہ بھٹکلی ندوی

میری سوچیں میری فکریں تیری اک اک بات کے نام
پیار کی ساری خوشبوئیں ہیں تیری پیاری ذات کے نام

اُمّی ہوکر تو نے کیسے گوہر پارے بخشے ہیں
گنجِ گراں مایہ ہے نچھاور تیرے ارشادات کے نام

جود وعطا اکرام ونوازش سب کچھ تیری ذات پہ ختم
ابرِ کرم اور بحرِ سخا ہیں طیبہ کی خیرات کے نام

جس سے تابشِ محفلِ امکاں، بزمِ فلک جس سے پرنور
دل کی دنیاداری میں نے اس نوری سوغات کے نام

راہِ ہدیٰ میں حسنِ عمل کی جگمگ جگمگ قندیلیں
فکر ونظر کے نور کا ہالہ مشکاتِ آیات کے نام

کون ومکاں کی شمعِ روشن مشعلِ فاراں کے صدقے
انجمِ رخشاں مہرِ درخشاں طیبہ کے ذرات کے نام

دل کی آنکھوں نے جو دیکھی نورِ ہدیٰ کی برکھا رُت
اس کے نشاط آگیں نظّارے رحمت کی برسات کے نام

بربطِ شوق پہ تو نے سمعاںؔ ساز جو چھیڑا ہے دل کا
بزمِ طرب کے سارے جلوے نعت کے ان نغمات کے نام

تعلیم الحدیث

خاتمہ بالخیر سے محرومی کے اسباب

عبدالرشید راجستھانی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عن المسيب بن حزن أنه قال: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ، جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَقَالَ: أَيْ عَمِّ قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيُعِيدَانِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ، حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَاللهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ وَأَنْزَلَ اللهُ فِي أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾.

ترجمہ: جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس پہنچے اور وہاں انہوں نے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے چچا! کہو: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، یہ ایک کلمہ ہے جس سے میں تمہارے لیے اللہ کے ہاں دلیل پیش کروں گا۔“ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: ”کیا تم عبدالمطلب کے دین سے منحرف ہوتے ہو؟“ رسول اللہ ﷺ مسلسل یہی بات ان پر پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دوہراتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے آخر میں کہا: ”میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں“ اور کلمہ پڑھنے سے گریز کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم، میں تمہارے لیے استغفار کروں گا، جب تک مجھے منع نہیں کیا جائے گا“ تو اللہ تعالی نے سورہ توبہ کی یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ یعنی نبی اور ایمان والوں کے لیے مشرکوں کے لیے استغفار جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ یعنی ہدایت کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ صرف اللہ ہی دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں نہایت اہم اور سبق آموز ہے۔ ابوطالب، حضرت رسول اللہ ﷺ کے مہربان چچا تھے جو شروع سے آخر تک آپ کے حمایتی رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور حمایت کی اور قبیلے میں ان کے لیے تحفظ فراہم کیا۔ لیکن ایمان نصیب نہ ہوا، شرک چھوڑ کر توحید قبول نہ کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آخری وقت میں بھی کلمۂ توحید پڑھوانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ اگر آپ کلمہ توحید پڑھ لیں گے، اور ایمان لے آئیں گے تو میں آپ کی سفارش کا حقدار ہو جاؤں گا، مگر ابوطالب آخر تک اپنے قبیلے کے دین پر قائم رہے۔ اس کی ایک وجہ ان کی جاہلی حمیت وغیرت تھی، اور دوسری وجہ ابوجہل اور ابنِ ابی امیہ کا بہکانا اور اکسانا تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایمان و توحید کے بغیر محبت، قربت اور نصرت و حمایت اور دیگر تعلقات و روابط آخرت میں نجات کی ضمانت نہیں دیتے۔

فوائد: یہ واقعہ اپنے اندر نہایت مؤثر اور متوجہ کرنے والے اسباق سمیٹے ہوئے ہے۔ ایک ایک پہلو غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ایمان کی حفاظت کی فکر کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے، سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ انسان کو اپنے اور اہل تعلق و قرابت کے ایمان کی فکر زندگی کے آخری سانس تک رکھنی چاہیے۔ موت کا لمحہ سب سے نازک لمحہ ہوتا ہے اور خاتمہ ہی اصل کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ یہ عملی نمونہ دکھایا کہ آخری لمحے تک انہیں ایمان کی دعوت دی۔

یہ منظر ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ کبھی بھی کسی انسان کے ایمان سے مایوس نہیں ہوا جائے، بلکہ آخری لمحے تک اس کے دل میں ایمان جگانے کی کوشش کی جائے۔ جاہلی حمیت، نخوت، تکبر اور لوگوں کے طعنوں سے عار محسوس کرنا انسان کو ایمان سے محروم کر دیتا ہے، ابوطالب نے عزت وغیرت کے فریب میں سب سے بڑی نعمت کھو دی۔ بری صحبت انسان کی آخرت برباد کر دیتی ہے، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کی موجودگی نے ابوطالب کو ایمان سے روک دیا، نسب اور رشتہ داری آخرت میں فائدہ نہیں دیتے، نجات صرف ایمان و توحید سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے، آمین۔

فقہی مسائل

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

سوال: اگر ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو کیا آپریشن کے ذریعے اس بچہ کو نکالا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ماں کی موت ہو جائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے تو فقہاء نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے تاکہ بچہ کی جان بچانے کی فکر کی جائے۔

[الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: 16/120]

سوال: کیا زائد انگلی یا عضو کو کاٹ سکتے ہیں؟

جواب: اگر کسی شخص کی زائد انگلی یا عضو نکل آئے تو اس کو کاٹا جاسکتا ہے بشرطیکہ ہلاکت کا خطرہ نہ ہو۔

[الفتاویٰ الہندیۃ: 5/360]

سوال: کیا معذور یا بیمار شخص کو حیوانات کے اعضاء بوقت ضرورت لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بوقت ضرورت ایسے جانوروں کے اعضاء جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو شرعی طریقہ پر ذبح کیے گئے ہوں لگانا جائز ہے۔ اسی طرح جان کی ہلاکت یا عضو ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کیے گئے ہیں تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال بھی بوقت ضرورت جائز اور درست ہے۔

[الفتاویٰ الہندیۃ: 5/354]

سوال: اگر کوئی شخص قانوناً کسی مرض کا علاج کرنے کا مجاز نہیں ہے، لیکن دواؤں اور امراض کے بارے میں واقفیت رکھتا ہے، کیا ایسے آدمی کا علاج کرنا درست ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص قانوناً کسی مرض کا علاج کرنے کا مجاز نہیں تو وہ طبیب حاذق نہیں کہلائے گا، لہٰذا ایسے آدمی کا علاج کرنا درست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: **أیما طبیب تطبب علی قوم لا یعرف له تطبب قبل ذلک فأعنت فهو ضامن۔** [ابوداؤد: 4587]

سوال: اگر کوئی مریض علاج کے دوران مر جائے یا اس کو شدید نقصان پہنچے تو ڈاکٹر پر کوئی ضمان لازم آئے گا یا نہیں؟

جواب: ڈاکٹر جس مرض کا علاج کر رہا ہے، وہ قانوناً اس کا مجاز ہے اور اس نے اصول علاج کے مطابق کسی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے تو بالاتفاق وہ ضامن نہیں ہوگا۔

[زاد المعاد: 4/200]

سوال: اگر مرد کو ایڈز (Aids) جیسی مہلک اور متعدی بیماری لگ جائے تو کیا عورت کو مرد کے خلاف دعویٰ تفریق کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب: ایڈز کا مریض شوہر اپنی بیوی کے حق میں نامرد ہی کے حکم میں ہے وہ مرض کی منتقلی کے خوف سے اس مرد کے ذریعہ داعیہ نفس کی تکمیل نہیں کر سکتی، لہٰذا عورت کو ایسے مرد کے خلاف قاضیٔ شرعی کے پاس دعویٰ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

[تبیین الحقائق: 3/25]

سوال: کیا حرام اشیاء سے علاج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی مسلمان طبیب کسی حرام شے سے علاج کو ضروری قرار دے اور کوئی جائز متبادل علاج موجود نہ ہو تو بر بنائے ضرورت حرام اشیاء سے علاج کرنا جائز ہے۔

[تبیین الحقائق: 6/23]

سوال: ٹیسٹ ٹیوب بے بی (Test tube baby) کے ذریعہ شوہر کا نطفہ اور عورت کا بیضہ لے کر بارآور کرنا کیسا ہے؟

جواب: شادی شدہ عورت جو حاملہ نہیں ہو سکتی، اس کے اور اس کے شوہر کے لیے بچہ کی ضرورت ایک جائز مقصد ہے، جس کے لیے مصنوعی بارآوری کا جائز طریقہ اپنا کر علاج کرانا درست ہے۔

[اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ص 193/192]

سوال: اگر کوئی اپنے لڑکے پر غصہ ہو کر کہے کہ تیری کمائی میرے لیے حرام ہے اور مرنے کے بعد تم میری قبر پر مٹی نہ ڈالنا، اب اگر وہ شخص اپنے بیٹے کی کمائی کھانا چاہے تو کیا صورت ہوگی؟ اور بیٹا باپ کی وفات کے بعد کفن دفن میں شریک ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

جواب: اگر کوئی شخص کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کے حرام کرنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوگی، بلکہ اس کا استعمال اسی طرح جائز اور حلال رہے گا، البتہ قسم کھانے کی وجہ سے قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا، لہٰذا باپ بیٹے کی کمائی کھائے اور کفارہ ادا کرے، اور بیٹا کفن دفن میں شریک ہو، شرعاً اس کی اجازت ہی نہیں، بلکہ تاکید وہدایت ہے۔ [شرح التنویر: ۳ج/ص ۶۳]

فکرونظر

قانونِ نصرت

مولانا محمد اجتباء الحسن کاندھلویؒ

آج ہم اپنی زندگیوں میں جن پریشانیوں سے دو چار ہیں، اور زمانہ کے جس نازک ترین لمحات سے ہم گذر رہے ہیں، اور جو کیفیتیں ہم پر طاری ہیں، ان سنگین حالات میں اگر ہم گذرے ہوئے زمانہ کی باتوں کو یاد کریں اور اپنے خدا کی ماضی میں آئی ہوئی غیبی مددوں کا بے چینی سے انتظار کریں تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں؛ لیکن اس قسم کی باتیں یاد کرنے سے پہلے ہمیں یہ بات سوچنی اور سمجھنی چاہیے کہ آخر ہمارے اسلاف میں وہ کیا اوصاف تھے' جن پر خدا کی غیبی طاقتیں' ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

بات یہ ہے کہ ہمارے خدائے پاک کے یہاں ہر چیز کے آئین اور اصول ہیں، ان کی نصرت کا بھی ایک آئین ہے؛ ایک اصول ہے؛ ایک قانون ہے۔ اسی لیے خدا کی نصرت کے حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ خدائے پاک کے ان قانونوں پر نظر کی جائے جن پر خدا اپنی غیبی اور خصوصی نصرتیں فرماتے ہیں۔

لغت کے اندر 'نصر' کے معنی 'مدد کرنے' کے آتے ہیں، اور خصوصیت سے یہ لفظ مظلوم کی مدد کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ 'نصیر' جو خدائے تعالی کا نامِ پاک ہے' وہ بھی اسی سے مشتق ہے۔ خدا تعالی کے نصیر ہونے کا ایک واضح اور روشن مطلب یہ ہے کہ نصرت و مدد ان کی ایک ایسی خصوصی صفت ہے جو ہر لحظہ، ہر وقفہ، ہر لمحہ، ہر منٹ اور ہر سیکنڈ ان کے ساتھ ہے، وہ ہمیشہ سے نصیر تھے، اب بھی نصیر ہیں، اور ہمیشہ نصیر رہیں گے۔

'نصیر' کے اس معنی کی گہرائیوں میں غور کر کے دیکھنے سے یہ بات محسوس کی جاسکتی ہے کہ بے شک صرف وہی ایک تنہا ذات ہے جو نصرت کے اصلی معنی کو پورا کر سکتی ہے، اور صحیح معنی میں نصرت فرماسکتی ہے۔ اس کی نصرت پر پورا وثوق کیا جاسکتا ہے، صرف وہی ایک ذات ہے جو اعتماد اور بھروسہ کے لائق ہے، صرف وہی ایک ذات ہے جو بھر پور نصرت وحمایت فرماسکتی ہے، اور اس کی نصرت وحمایت میں بقائیت، دوامیت اور ہمیشگی ہے۔ جس کو اس کی نصرت حاصل ہوگئی، اور جس کے دامن کو اس کی نصرت نے تھام لیا' وہ ایک کامیاب انسان ہے، وہ ایک سرفراز انسان ہے، وہ ایک کامران انسان ہے۔ اب اس کو پریشان ہونے اور بے چین ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اور اب وہ کسی دوسرے کی نصرت وحمایت کا ضرورتمند، حاجتمند اور احسان مند نہیں ہے، اللہ فرماتے ہیں: '**و کفی باللہ نصیراً**'' (اور اللہ کافی مددگار اور نصرت گار ہیں)۔

جب خدا مددگار ہیں تو اب یہ بات دماغ میں کچوکے دیتی ہے اور ایک سوالیہ نشان بن کر سامنے آتی ہے کہ آخر خدا کی ان مددوں سے سرفراز ہونے کا شرف کس طرح حاصل ہو؟!۔

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ یہ شرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو خدا پر پورے طور پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری میں پورے اتر آئیں؛ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''**انا لننصر رسلنا و الذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد**'' (ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں مدد کیا کرتے ہیں اور اس دن بھی جس دن گواہ قائم کیے جائیں گے)، دوسری جگہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''**و کان حقاً علینا نصر المؤمنین**'' (ایمان والوں کی مدد کرنا ہم پر حق ہے)۔

ان آیات سے یہ بات ایک روزِ روشن کی طرح صاف ہوگئی کہ ایمان کامل کے بغیر خدا کی نصرت و حمایت کا تصور' ایک موہوم سا تصور ہے، اور اسی طرح ایمان کے بعد خدا کی نصرت سے یاسیت اور ناامیدی ایک حرمت آمیز اور ناجائز بات ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایمان والوں کو خدا کی مدد پر پختہ قسم کا یقین اور ان کے ننھے دلوں میں خدا سے طلبِ نصرت اور حمایت کا جذبہ بیدار رہنا چاہیئں اور اس کے لیے سراپا امید اور سراپا انتظار بن جانا چاہیے۔ خدا تعالی نے ایمان نگاروں کو اپنی پاکیزہ جنت کی خوش خبری سناتے ہوئے ان کی نصرتِ خداوندی کے لیے تڑپ اور بے چینی کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:

''**و أخری تحبونھا، نصر من اللہ و فتح قریب**'' (اور خدا جنت کے علاوہ دوسری وہ چیز تم کو دیں گے، جس کی تم کو چاہت ہے۔ اللہ کی مدد اور قریبی فتح)

خدا کی نصرت کے ساتھ اس دلی تعلق کا مظاہرہ دعاؤں کی صورت میں بھی ہونا چاہیے، اور دعاؤں کے پورے آداب کے ساتھ خدا کے جناب میں نیازمندانہ گذارش اور عاجزانہ درخواست اور مخلصانہ التجا کرنی چاہیے؛ قرآن مجید کا بیان ہے کہ ایمان نگار' خدا سے عرض کرتے ہیں:

"أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين" کہ آپ ہی ہمارے آقا ہیں، آپ ہماری کافروں کے مقابل نصرت فرمائیں۔

"وما كان قولهم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا في امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا على القوم الكافرين" (اور ان کا کہنا تو صرف اتنا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں اور ہماری زیادتیوں کو معاف فرما، اور ہم کو ثبات قدمی نصیب فرما اور کافروں پر غلبہ نصیب فرما۔

جنگِ بدر کے نازک وقت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ نے جس طرح خدا کے سامنے دامن پھیلا کر نصرت اور مدد چاہی ہے، اس کو خدا اس آیتِ شریفہ میں بیان فرماتے ہیں: "اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم".

(اور اس وقت کو یاد کرو! جب تم اپنے خدا سے فریاد کرتے تھے، پھر اس نے تمھاری فریاد سن لی)

اور فرمایا: "انی ممدكم بالف من الملائكة مردفين" (میں تمہاری یکے بعد دیگرے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا)

اس موقع پر حضرت محمد ﷺ نے جن الفاظ میں اور جس انداز میں خدا سے دعا کی وہ فراموش کردینے والی نہیں ہے؛ آپؐ نے فرمایا: اے پرودگار! اپنا وعدہ پورا فرما، اور اے خدا اگر یہ مٹھی بھر انسان تباہ ہوگئے تو قیامت تک تری عبادت نہ ہوسکے گی۔

مگر یہ بات صرف تمناؤں، آرزوؤں، کاماناؤں، امیدوں اور دعاؤں پر ختم نہیں ہوجاتی؛ بلکہ دین کے راستہ میں دوڑ دھوپ، جد و جہد اور کوششوں کی بھی ضرورت رہ جاتی ہے، جس پر خدا کی مددیں آنے کا انحصار ہے، اور جو خدا کی مدد کے حصول کے واحد ذریعہ ہے، جس کو صحابہ کرامؓ نے اپنایا تھا، جس سے ان کو خصوصی دلچسپی تھی، اور جو ان کی زندگی کا ایک جزء تھا، ان کی زندگی کا ایک خاص شعار تھا، اور جس پر خدا تعالی نے اپنی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، خدا نے کیا فرمایا ہے؟ خدا نے فرمایا ہے: "ولينصرن الله من ينصره" کہ خدا ضرور مدد فرمائیں گے اس شخص کی جس نے خدا کے دین کی مدد کی۔

آج ہمارے دلوں میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ ہم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوں، اور خدا کی آسمانی مددیں ہم پر سایہ فگن ہوجائیں، یہ صرف دماغ کا کچا پن ہے، قرآن مجید میں نصرت و مدد کے جتنے واقعات بیان فرمائے ہیں، ان پر نظر کیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ خدا نے ایمان نگاروں کی نصرت تب ہی فرمائی ہے جب کہ انھوں نے خود کو خدا کی راہ میں پیش کردیا؛ پچھلے ایمان نگاروں کے حالات سناتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"أم حسبتم ان تدخلوا الجنة و لما يأتكم مثل الذين خلوا من قبلكم، مستهم البأساء و الضراء و زلزلوا حتى يقول الرسول و الذين آمنوا امعه متى نصر الله، الا ان نصر الله قريب".

(کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ تم پر ابھی تک پچھلے لوگوں کے سے حالات نہیں آئے، ان پر سختیاں اور پریشانیاں آئیں، اور وہ ہلا دیے گئے، حتی کہ رسول اور ان کے ایمان نگار ساتھی کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب آئے گی؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کی مدد قریب ہے)۔

خدا کی مددوں کی یہ خوش خبری کوٹھیوں میں رہنے والے، بلڈنگوں میں بسنے والے انسانوں، عیش و عشرت کے متوالوں، کمپنیاں، فیکٹریاں اور کارخانے والوں، اور دنیا کی رنگینیوں میں مست و سرشار رہنے والوں کو نہیں دی گئی؛ بلکہ یہ خوش خبری ان خوش قسمت انسانوں کو دی ہے جنھوں نے خدا کی راہ میں خود کو پیش کیا، اور آزمائش کی سخت منزلوں سے گذرے، اور ان کے صبر و ثبات کے پیروں میں لغزش نہیں آئی، اگر تکلیفیں راستوں میں پیش آئیں تو ان کو برداشت کیا، اور اگر خدا نے سکون و چین کی سانسیں نصیب فرمائیں تو انھوں نے ان سانسوں کو بھی خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لیے دین کی راہ میں خرچ کردیا؛ سورۂ انعام میں خدا نے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ: اے نبی! آپؐ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا، اور ان کو تکلیفیں دی گئیں، مگر وہ ثابت قدم رہے، یہاں تک ہماری مدد ان پر آگئی؛ "ولقد كذبت رسل من قبلک فصبروا و على ما كذبوا و اوذوا حتى اتاهم نصرنا" (اور آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلانے گئے، پ وہ صبر کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی)۔

بدر کے نازک موقع پر خدا کی مدد مسلمانوں کے پاس مدینہ طیبہ میں نہیں آئی؛ بلکہ بدر کے وسیع میدان میں آئی، وہ کم زور تھے، بے سروسامان تھے، لیکن جس حالت میں بھی تھے، دین کی ایک پکار پر اور وقت کی ایک آواز پر حاضر ہوگئے، اور خدا کی نصرت سے ہم کنار ہوئے، ارشاد ہوا: "ولقد نصركم الله ببدر و انتم اذلة" (خدا نے تمھاری بدر میں مدد کی ہے جب کہ تم کمزور تھے)۔

خدائے پاک نے قرآن شریف کے اندر تاکید فرمائی ہے کہ خدا کی راہ میں صبر و ثبات کے ساتھ کوششیں کرتے رہو، بت تم کو کامیابی میسر ہوگی، ارشاد فرماتے ہیں:

"يا ايها الذين آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا الله لعلكم تفلحون".

(اے ایمان والو! تم صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوطی سے جمے رہو، صف بستہ ڈٹے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ)۔

اس آیتِ شریفہ کا پہلا حکم ہے: 'اصبروا'۔ 'صبر' روکنے اور سہارنے کو کہتے ہیں، تحمل و برداشت کی یہ قوت صحیح معنی میں استعمال کی جائے گی تو اس کو صبر کے نام سے موسوم کریں گے، گویا آیت شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ جسم پروری اور نفس پرستی کے زہریلے جذبات کو ٹھنڈا کر کے عمل کے میدان میں اترنا چاہیے، اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑے رہنا چاہیے۔

آیتِ شریفہ کا دوسرا حکم ہے: 'صابروا'۔ مقابلہ میں مضبوط رہو۔ 'صابروا' اپنی معنویت کے اعتبار سے ایک جامع لفظ ہے، مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ رہنے کا حکم تو فرمایا مگر مقابلہ کی صورت کا تعین نہیں فرمایا، اس وسعتِ معنی کی افادیت یہ ہے کہ مخالف جس سمت سے بھی اسلام، اسلامی تشخص، اور اسلام والوں کو نقصان پہنچانا چاہیں، ہم کو حکم ہے کہ ہم مضبوطی کے ساتھ اس کا دفاع کریں۔

ہوسکتا ہے کہ مخالف' اربابِ اسلام کو نیچا کرنے کے لیے جنگ کی ناپاک کوشش کرے، یا اسلامی تشخص پر حملہ کرے، یا اسلامی تہذیب کو ختم کرنے کی کے لیے یورش کرے، یا کوئی بھی ناواجب صورت اختیار کرے تو عزم وہمت کا پیکر بن کر اس کے ناپاک ارادوں کو چکنا چور کردیا جائے۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں 'مصابرہ' کے مفہوم میں جہاد اور غیر مسلموں کے شکوک وشبہات کے ازالہ کو بھی شامل فرمایا ہے۔ علمائے تفسیر نے ایک مطلب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ باطل کے سلسلہ میں میں جو تکلیفیں، مشقتیں اور مصیبتیں' اہلِ باطل کو سہنی پڑتی ہیں، اسی طرح تم حق کے سلسلہ میں ان پریشانیوں کے سہنے میں ان سے کم نہ رہو، اور یہ بات حق تعالی کے اس ارشاد سے بھی مستفاد ہوسکتی ہے: "ان تکونوا تالمون فانهم یألمون کما تألمون" (اگر تم کو درد ہوتا ہے تو ان کو بھی تمھاری طرح درد ہوتا ہے)۔

آج دنیا میں علم وعمل، تہذیت وشرافت، اخلاق و عادات، معاشرت و معاملات، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کی باتوں سے لاتعلقی برتی جاتی رہی ہے، اور یہ سب اسلامی اعمال ہیں، اور چاروں سمتوں سے ان پر حملوں کی یلغار ہورہی ہے، ان کا خون گرایا جارہا ہے، اسلام اور اسلامیت کو مجروح کیا جارہا ہے، تو ایسے حالات میں ہماری خاموشی اور چپ رہنا اور کوئی دفاع نہ کرنا ایک سخت قسم کی ناانصافی ہے۔

یہ ایک کمزور بات ہے کہ ہم حق کی حمایت اور اس کی نشر و اشاعت میں باطل والوں سے پیچھے رہ جائیں، جب وہ باطل کو پھیلانے کے حقدار ہیں تو کیا ہم حق کے پھیلانے میں حق دار نہیں ہیں، جب وہ باطل کے پھیلانے میں پریشانیوں کو برداشت کرتے ہیں تو کیا ہم حق کے پھیلانے میں پریشانیوں کو نہ برداشت کریں۔ اسلام کی طرف سے ہماری بے نیازی اور بے پروائی اسلام کے ساتھ ناانصافی ہے، جس کو اسلام ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

آیتِ شریفہ کا تیسرا حکم ہے: 'ورابطوا'۔ یعنی صف بستہ ڈٹے رہو! 'ربط' عربی زبان میں باندھنے کو کہتے ہیں، اسی سے لفظ 'مرابط' بنتا ہے جس کے معنی ہیں: وہ فوجی جو حفاظت کی غرض سے دشمنوں کے حملوں کا سرتوڑ دینے کے لیے صف باندھے ہوئے سرحدوں پر تعینات رہتے ہیں۔

خدا تعالی نے اس آیتِ شریفہ کے پہلے حصہ میں صبر وثبات کا حکم فرمایا، دوسرے حصہ میں صبر وثبات میں مضبوط رہنے اور جواں مردی کے ساتھ دشمن پر غلبہ پانے کا حکم فرمایا اور تیسرے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ 'اصبروا' اور 'صابروا' میں 'مرابط' کی سی شان ہونی چاہیے۔ جس طرح مرابط کسی وقت غفلت نہیں برت سکتا، اپنی سرحد کو چھوڑ نہیں سکتا، اس کی حفاظت اور دشمن کے جوابی حملے کے لیے کمال کی مستعدی کے ساتھ رہتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کو دین پر عمل کرنے اور اس کی حفاظت و نصرت کرنے میں 'مرابط' کی سی شان رکھنی چاہیے؛ کہ کوئی بات ہمارے عزم و ہمت اور ایمان وعمل میں رخنہ اندازی نہ کرسکے، اور ہم دین پر کیے جانے والے حملوں کے جواب کے لیے ہمہ وقت مستعد اور ہوشیار رہیں۔

آیت شریفہ کا چوتھا حکم ہے: "واتقوا اللہ"، کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ یعنی اصبروا، صابروا اور رابطوا کی منزلوں میں تقوی کا لحاظ رکھو، ان چیزوں کا مقصود بھی تقوی کا حصول ہو، اور ان چیزوں کے برتنے میں بھی تقوی' پیش نظر رہے۔

کتنی ہی اچھی سے اچھی تحریک ہو، اور بہتر سے بہتر پلان ہو، اگر اس کے چلانے میں صحیح طریقے نہیں اختیار کیے جاتے تو نتیجے بھیانک شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں؛ اس لیے مسلمان کی زندگی وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، تقوی سے رنگین ہونی چاہیے؛ اس کی ابتدا بھی تقوی سے ہو اور انتہا بھی تقوی پر ہو۔

غرض یہ وہ منزلیں ہیں جن کو طے کرنے کے بعد 'لعلکم تفلحون' کی منزل آتی ہے، اور مردِ مؤمن اپنی مراد کو پہونچتا ہے۔ اب اگر اپنے مقصود یعنی نصرتِ خداوندی تک پہونچنا ہے تو ہمیں ان چاروں چیزوں کو اختیار کرنا چاہیے۔

آدابِ زندگی

میاں بیوی کے حقوق

مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

حق کے معنی

حق کے لغوی معنی ثابت ہونے یعنی واجب ہونے کے ہیں، اس کی جمع حقوق آتی ہے، حق باطل کے مقابلہ میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً" (اعلان کر دو کہ حق آ چکا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل کو مٹنا ہی تھا)۔

حقوق کی ادائیگی

شریعت اسلامیہ نے ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقہ سے انجام دے اور لوگوں کے حقوق کی مکمل طور پر ادائیگی کرے۔

شریعت اسلامیہ نے ہر شخص کو مکلف بنایا ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق بھی مکمل طور پر ادا کرے، بلکہ بعض وجوہ سے حقوق العباد کی ادائیگی پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اس لیے کہ حقوق اللہ میں کوتاہی اگر ہوتی ہے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں، لیکن بندوں کی حق تلفی اگر کی جاتی ہے تو وہ اس وقت تک معافی نہیں جب تک بندہ خود معاف نہ کر دے، یا اس کو ادا کر دیا جائے۔

آج ہم خود تو حقوق ادا نہیں کرتے، لیکن حقوق کی باز یافت کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، لیکن شریعت اسلامیہ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہمارے اوپر جو ذمہ داریاں ہیں، ہم انھیں ادا کریں، اور اگر ہر شخص اس کی کوشش کرتا ہے تو پھر حق تلفیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی، اور باہمی زندگی خوشگوار ہو جائے گی۔

میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے، زوجین کے درمیان تعلقات نکاح کے ذریعہ قائم ہوتا ہے، اور نکاح کے دو مقاصد بتائے گئے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن آياته ان خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودّة ورحمة ان في ذلك لآيات لقوم يتفكرون" [سورہ روم: ۲۱] (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی، یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں)۔

غرض اس آیت میں نکاح کے دو مقاصد بیان کیے گئے:

۱- میاں بیوی کو ایک دوسرے سے قلبی و جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے۔

۲- میاں بیوی کے درمیان ایک ایسی محبت، الفت، تعلق، رشتہ اور ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے جو دنیا میں کسی بھی دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتی۔

میاں بیوی کے درمیان ذمہ داریوں کی تین قسمیں ہیں:

انسان صرف انفرادی زندگی نہیں رکھتا ہے، بلکہ وہ فطرتاً معاشرتی مزاج رکھنے والی مخلوق ہے، اس کا وجود خاندان کے ایک رکن اور معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے ہی پایا جاتا ہے، معاشرہ اور خاندان کی تشکیل میں بنیادی اکائی میاں بیوی کی ہوتی ہے، اور اس بنا پر ایک دوسرے پر معاشرتی حقوق بھی عائد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف" (ان کا حق بھی ویسا ہی ہے جیسا ان پر حق ہے دستور کے مطابق معروف طریقہ پر)۔

اس آیت میں میاں بیوی کے تعلقات کا ایسا جامع دستور پیش کیا گیا ہے، جس سے بہتر کوئی دستور نہیں ہو سکتا اور اگر اس جامع دستور کی روشنی میں زندگی گزاری جائے تو اس رشتہ میں کبھی بھی تلخی اور کڑواہٹ پیدا نہیں ہو سکتی، واقعی یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ الفاظ کے اختصار کے باوجود معانی کا سمندر گویا کہ ایک کوزے میں سمو دیا ہے، یہ آیت بتا رہی ہے کہ بیوی کو محض نوکرانی اور خادمہ مت سمجھنا، بلکہ یہ یاد رکھنا کہ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی پاسداری شریعت میں ضروری ہے، ان حقوق میں جہاں نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام شامل ہے، وہیں اس کی دلداری اور راحت رسانی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي" (تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کی نظر میں اچھا ہو، اور میں اپنے

کے لئے سب سے اچھا ہوں)۔

ظاہر ہے ان کی نظر میں وہی اچھا ہوگا جو ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو، دوسری طرف اس آیت میں بیوی کو بھی آگاہ کیا کہ اس پر بھی حقوق کی ادائیگی لازم ہے، کوئی بیوی اس وقت تک پسندیدہ نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق کو ادا کرکے اس کو خوش نہ کرلے، چنانچہ احادیث میں ایسی عورتوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اپنے شوہر کی تابعدار اور خدمت گزار ہوں، اور ان سے بہت زیادہ محبت کرنے والی ہوں اور ایسی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو شوہروں کی نافرمانی کرنے والی ہوں۔

شوہر کی ذمہ داریاں

مکمل مہر کی ادائیگی شوہر کے اہم ذمہ داری ہے، ورنہ آخرت میں نیکیوں سے اس کی ادائیگی کرائی جائے گی، نکاح کے وقت مہر کی تعیین اور شبِ زفاف یعنی ملاقات کی رات سے قبل اس کی ادائیگی ہونی چاہیے، اگرچہ میاں بیوی باہم رضامندی سے اس کو مؤخر بھی کرسکتے ہیں، اس میں اضافہ اور کمی بھی کرسکتے ہیں، مہر صرف عورت کا حق ہے، لہٰذا شوہر یا اس کے والدین بھائی بہن کے لیے مہر کی رقم میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے۔

شریعت اسلامیہ نے پوری زندگی میں کوئی بھی خرچہ عورت پر بحیثیت بیوی نہیں رکھا ہے، شادی سے پہلے اس کے تمام اخراجات والد اور اہل خانہ کے ذمہ ہیں، اور شادی کے بعد عورت کے کھانے پینے، رہنے سونے اور لباس ووسائل معاش کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہی ہوتے ہیں، لہٰذا مہر کی رقم عورت کی خالص ملکیت ہے، اس کو اپنی صوابدید پر وہ خرچ کرسکتی ہے۔

بیوی کے اخراجات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن“ [سورہ بقرہ:۲۳۳] (بچوں کے باپ پر عورتوں یعنی بیوی کا کھانا اور کپڑا لازم ہے دستور کے مطابق)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اتقوا الله في النساء فانكم أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله“ (عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امان میں تم نے ان کو لیا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ان کی شرم گاہوں کو تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے، دستور کے مطابق ان کا مکمل کھانے پینے کا خرچہ اور کپڑوں کا خرچہ تمہارے ذمہ ہے)۔[صحیح مسلم، حدیث نمبر:1218]

بیوی کے لیے رہائش کا انتظام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”أسكنوهن من حيث سكنتم“[سورة الطلاق:6] (تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان کو رکھو)۔

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ عدت کے دوران ان کی رہائش کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ ہے، جب شریعت نے مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ رکھا ہے تو حسب استطاعت بیوی کی مناسب رہائش کی ذمہ داریاں بدرجہ اولیٰ شوہر کے ذمہ ہوں گی۔

بیوی کے ساتھ حسن معاشرت

شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وعاشروهنّ بالمعروف فان كرهتموهن فعسىٰ أن تكرهوا شيئاً ويجعل الله فيه خيراً كثيراً“[سورة النساء:19] (ان کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں حسن اخلاق کے ساتھ معاملہ رکھو، گو تم انہیں ناپسند کرو، لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو، اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی رکھدے)۔

بیوی کے ساتھ حسن معاشرت، بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کی ادائیگی کے مختلف طریقے حسب ذیل ہیں:

حسب استطاعت بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے میں فراخدلی سے کام لینا چاہیے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اذا أنفق الرجل على أهله نفقة يحتسبها فهي له صدقة“[صحیح بخاری، حدیث نمبر:55، صحیح مسلم، حدیث نمبر:1002] (اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کا بڑا اجر عطا فرمائے گا)۔

بیوی سے مشورہ

بیوی گھر کی مالکن ہے، سارا نظام گھر کا اسی پر موقوف ہوتا ہے، کسی بات کو طے کرنے میں وہ گھریلو امور میں کلیدی رول ادا کرسکتی ہے، لہٰذا بیوی سے مشورہ کرنے میں خیر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا اور اس پر عمل بھی کیا ہے، لہٰذا مشورہ اپنے اہل سے کرنا سنت ہے، اور سنت کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ایک جائزہ

دنیا کے عظیم انقلابات بمقابلہ انقلابِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انیس احمد ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

جب سے یہ دنیا وجود میں آئی، کمزور وطاقتور، سرمایہ دار ومزدور، محتاج وغنی، حاکم ومحکوم کے درمیان ان گنت کشمکش، انقلابات اورلڑائیوں سے دوچار ہوتی رہی، یہ انقلابات اورلڑائیاں دنیا کے لئے مفید رہیں اور نقصان دہ بھی، مگر زیادہ تر انقلابات اورکشمکش کے نتائج ذاتی اغراض ومقاصد رہے یا سیاسی اور معاشی بالا دستی،کبھی ایک ملک نے دوسرے ملک پرملک حکمرانی کے ہوس میں اور اپنی فتوحات کوبڑھانے کے لئے اورمملکت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے چڑھائی کردی اور علاقہ کے علاقہ کوتہہ وبالا کرڈالا،کھیتیوں اور معیشتوں کوتہس نہس کرڈالا، انسانوں کو بے دریغ تہہ تیغ کرڈالا جس کی تصویر قرآن پاک نے اس طرح کھینچی ہے:(إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً)۔

(یقیناً جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کوذلیل کردیتے ہیں)۔

اسی طرح تہذیبیں بھی اپنی بالا دستی اورحکمرانی کے لئے ایک دوسرے سےٹکراتی رہی ہیں جس کے نتیجہ میں دنیامیں ہزاروں انقلابات رونماہوئے۔

قدیم زمانہ میں روم وایران بھی اپنی برتری اور سیاسی تفوق کے لیے اور اپنی سلطنت کی وسعت کے لئے ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے رہتے تھے، آخر میں ایک دوسرے سے لڑتے لڑتے کمزور ہوگئے، اور ہزاروں ہزار جانیں انکی آپسی لڑائیوں کی نذر ہوگئیں، جب اسلام آیا اس وقت دنیا میں یہی دونوں سپر پاور تھے، ایسا لگتا تھا کہ انھیں دنیا کی کوئی طاقت زیرنہیں کرسکتی، ان فوج کشیوں سے انسانیت کی قطعا صلاح وفلاح مقصودنہیں ہوتی تھی، کہیں کہیں اور کبھی کبھی کسی ظالم حکمراں سے وقتی طور پرنجات مل جاتی مگر آنے والا یعنی فاتح خودمفتوح قوم کوطرح طرح کے ظلم وجبر کا نشانہ بنانے لگتا تھااور اس طرح انسان برابرظلم کی چکی میں پستا رہتا تھا، آیئے ایک سرسری جائزہ لیں کہ دنیا میں کتنے اہم انقلابات رونماہوئے اوران کے کیا مقاصد تھے۔

چینی انقلاب، امریکی انقلاب، روسی انقلاب، انقلاب فرانس، اسی طرح ماؤزڈانگ کا انقلاب، مارٹن لوتھر کا انقلاب، پہلی جنگ عظیم، دوسری جنگ عظیم، استعمار کا اپنی طاقت کو بڑھانا اور دوسرے ممالک میں کالونیاں قائم کرنا، صنعتی انقلاب، سائنسی انقلاب، یوروپ کی نشاۃ ثانیہ ایسے تاریخی اہم واقعات ہیں جن کو بڑے بڑے انقلابات سے تعبیر کرنا درست معلوم ہوتا ہے، ظاہر ہے یہ انقلابات عوام کی خوشحالی کے لئے انجام دیے گئےلیکن ان انقلابات کا دائرہ محدودہو کررہ گیا،عوام اورانسانیت کا اس سے فائدہ کم اور نقصان بڑے پیمانے پرہوا۔

سب سے پہلا انقلاب تاریخ میں زراعتی انقلاب کے نام سے جانا جاتا ہےجس سے انسان نے تہذیب وتمدن سیکھا اور ماردھاڑ، جنگلی زندگی اورشکار کے زمرہ سے نکل کر،کھیتی باڑی، باقاعدہ رہائش اور بود وباش اختیار کرنے کی روش قائم ہوئی، اس کے بعد سائنسی انقلاب ہے جوسولہویں اورسترہویں صدی میں یوروپ میں آیا جس نے جدید علمی ترقی کی بنیاد ڈالی جو اصلا چھٹی صدی عیسوی میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب اور بعد کی اسلامی حکومتوں کی علمی اور تمدنی ترقیات کی مرہون منت ہے، اٹھارویں اورانیسویں صدی میں یوروپ میں صنعتی انقلاب آیا جو اصلا مشینی انقلاب اورجدید معاشی نظام کا دوسرا نام ہے اور یہیں سے مزدور اور صنعت کار کا میکانزم شروع ہوتا ہےاور ترقیات کے دروازہ کھلتے ہیں، بعدازاں امریکی انقلاب ہےجس کے نتیجہ میں امریکہ برطانیہ کے دامِ غلامی سے آزاد ہوا اورصوبہائے متحدہ امریکہ کی بنیاد پڑی، تقریباً ۸۵-۹۰ سال کے بعدغلامی کا خاتمہ ہوا یہیں سے آزادی، جمہوریت اور دستوری حکومت کی داغ بیل پڑی، یہ اٹھارویں صدی کے آخر میں ۱۷۷۵-۱۷۸۳ کے درمیان واقع ہوا۔ اس کے بعد فرانسیسی انقلاب آتا ہے جو ۱۷۸۹-۱۷۹۹ کے درمیان واقع ہوا جس کے نتیجہ میں بادشاہت ختم ہوئی اورریپبلک حکومت کا قیام عمل میں آیا، یہیں سے دنیا خصوصا یوروپ میں اصلاحات وانقلابات کی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں، اس کے بعدروسی انقلاب ۱۹۱۷ء میں آیا اس سے زار کی حکومت کا خاتمہ ہوا، پہلی کمیونسٹ

ریاست وجود میں آئی اور کمیونزم کو ترقی دی گئی، اس کے بعد چین میں ۱۹۴۹ میں کمیونسٹ حکومت کا قیام عمل میں آیا، ماؤ زڈانگ نے ۱۹۶۶ - ۱۹۷۶ کے درمیان چین میں بڑا انقلاب لانے کی کوشش کی اس کے کچھ مثبت کچھ منفی اثرات پیدا ہوئے، اس کے بعد ہندوستان میں آزادی اور انقلاب کی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں جس نے ۹۰ برسوں کی سخت محنت ومشقت، جدو جہد، نشیب و فراز، کشت وخون کے رنگین نظاروں کے بعد ۱۹۴۷ ء میں آزادی حاصل ہوئی، اس کے بعد ۱۹۷۹ ء میں ایرانی انقلاب آیا جس کو اسلامی انقلاب کا نام دیا گیا جبکہ اصلا اسے شیعی انقلاب کا نام دینا چاہیے، اور اب اخیر میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اے آئی کا انقلاب آیا ہے اس نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

دنیا کا سب سے اہم اور مؤثر انقلاب وہ ہے جس کو جناب محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اس انقلاب نے پوری دنیا کو متاثر کیا، پوری دینا نے کم وبیش اس کے اثرات کو قبول کیا، اور آج بھی اس کی پرنور شعاعیں دنیا کو متاثر کر رہی ہیں، یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس نے انسان کے اندرون کو بدل دیا، ذہن ودماغ، قلب ونظر، اور انداز فکر کو بدل دیا، نفسیات انسانی میں ایسی تبدیلی کر دی جو ہمیشہ مائل خیر ہی رہے، نفسیات انسانی کو اسکی فطری اور جسمانی حد بندیوں سے نکال کر اسے روحانی اور آسمانی بنا دیا، آپ نے ایسا انسانی گروہ تیار کیا جو اپنی ذات چھوڑ کر ساری انسانیت کی صلاح وفلاح کے لئے سوچنے لگا، انسانوں کے اس گروہ کو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ذاتی اغراض ومقاصد کے دلدل سے نکال کر ساری بنی نوع انسان کی کامیابی وفلاح کے لئے فکر کرنے والا بنا دیا، رسم ورواج کے تیرہ وتار صحراء، وحشت وبربریت، ظلم وزیادتیک سماجی معاشی اور معاشرتی برائیوں اور گناہوں کے دلدل سے نکال کر نیکیوں کی راہ پر ڈالنے کے لئے ہر وقت فکر مندر ہنے والا بنا دیا، خود غرضی کی جڑیں ختم ہوگئیں، بے لوثی کا وہ عظیم درس دیا جس نے اس وقت کی دنیا کو یکسر تبدیل کر دیا، دنیا کے سامنے حکمرانی اور جہانبانی کے محیر العقول نمونے پیش کیے جو انمٹ ہونے کے ساتھ ساتھ خود غرضی سے بھری اس موجودہ دنیا کے لئے نا قابل اعتبار معلوم ہوتے ہیں۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا وہ تباہی وبربادی کا نہیں بلکہ تعمیر اور فلاح انسانی کا ضامن تھا، آپ نے ایسا معاشرہ برپا کیا جہاں کمزور کو ستایا نہ جائے، غریب ومسکین کا مذاق نہ اڑایا جائے بلکہ ان کی مدد کی جائے، ایسا معاشرہ جہاں یتیم کا مال کھایا جائے نہ ہڑپ کیا جائے بلکہ اس کی حفاظت کی جائے اور عاقل وبالغ ہونے پر اس کے حوالہ کر دیا جائے، ایسا معاشرہ جہاں عورتوں اور بیٹیوں کو عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھا جائے، جہاں وراثت ہڑپ نہ کی جائے، جہاں دوسروں کے مال پر دست درازی تو دور کی بات اس کی طرف للچائی نظروں سے دیکھا نہ جائے، جہاں حکومت عدل وانصاف سے قائم کی جائے، جہاں قوت وطاقت اور چڑھتے سورج کی عبادت نہ ہو، جہاں محکوم وحاکم، سپاہی وکمانڈر، امیر وفقیر، محتاج وغنی، آقا وغلام قانون کی نگاہ میں اور انصاف کی عدالت میں یکساں ہو جائیں اور اللہ کے دربار میں روزانہ پانچ بار ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر برابری کا اعلان کر رہے ہوں، اسی انقلاب کی ایک مختصر مگر نہایت خوبصورت تصویر تھی جس کو ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم کے دربار میں پیش کیا تھا کہ اللہ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم اللہ کی منشا کے مطابق اس کے بندوں کو دوسرے بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت سے روشناش کریں، اور دنیا کی تنگنائیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں سے آگاہ کریں اور مذاہب کی ظلم وزیادتی سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی گھنی چھاؤں میں پناہ عطا کریں۔

ایسا انقلاب تاریخ انسانی نے کبھی دیکھا نہیں، اس انقلاب سے امن وآشتی کی ہوائیں چلیں، عدل وانصاف کا قیام عمل میں آیا، صدیوں سے آپس میں لڑتے ہوئے گروہ شیر وشکر ہو گئے رقابتیں رشتہ داریوں میں بدل گئیں، ان کی جنگی مہارتوں اور انسانی خوبیوں کا رخ بدل گیا، اعلی انسانی اور اخلاقی اقدار وجود میں آئے، شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ظاہر ہے تاریخ انسانی میں اور دیگر بہت سے دینی اور روحانی پیشوا آئے اور انھوں نے نفس انسانی اور معاشرہ کو بدلنے کی کوشش کی لیکن کوئی دوسرا ہادی ورہنما، روحانی پیشوا وپیغمبر اپنے ماننے والوں اور چاہنے والوں کو اس قدر نہیں بدل سکا جیسا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیائے انسانیت کو بدلا، تہذیبوں پر اثر انداز ہوئے اور تاریخ کے دھارے کو مثبت انداز میں بدل ڈالا جو آج تک انسانیت کے لئے مفید وکار آمد ہے، آج ضرورت ہے تو اس بات کی کہ اسلام کی صحیح ترجمانی کی جائے اور اس کے حقیقی رخ کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

اصلاح معاشرہ

معاشرہ میں بے حیائی اور اُس کا سدباب

سید کلیم اللہ ندوی (شبلی لائبریری ندوۃ العلماء)

عریانیت اور بے حیائی دونوں لازم وملزوم ہیں، آج کے دور میں بے حیائی عام ہوگئی ہے، ہر شخص شرم وحیا سے عاری ہوتا جارہا ہے، عریانیت فیشن بن گئی ہے، فحاشی وبدکاری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، عریانیت ایک طرز زندگی بن گئی ہے۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ دنیا عریانیت وبے حیائی کس منزل پر پہنچ چکی ہے، مسلم معاشرہ میں بھی یہ لعنت تیزی سے بڑھ رہی ہے، غیروں کی نقل میں مسلم عورتیں بھی محفوظ نہیں ہیں، آج تک جو عورتیں چہار دیواری سے باہر نکلنے کو عار سمجھتی تھیں وہ اب نقاب اتار کر پھینکے دے رہی ہیں، اگر اس کے لیے مؤثر اقدامات نہ کیے گئے تو بے حیائی کا یہ فتنہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہے، کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ باہمی مذاق کے نتیجے میں کوئی مرد کسی عورت پر یا کوئی عورت کسی مرد پر فریفتہ ہوگئی جس سے وہ خرابی پیدا ہوئی کہ اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ بن آئی، اللہ تعالیٰ سب کو سلامت رکھے، ان مہلک تفریحات کا جو پہلا اثر انسان پر پڑتا ہے وہ بے حیائی اور بے غیرتی کا وہ شدید رجحان ہے جس نے انسانی معاشرہ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور جن کی وجہ سے صدیوں سے آزمائے ہوئے اعلیٰ انسانی اقدار کا جنازہ نکل گیا۔

اسلام مردوزن کے آزادانہ اختلاط کو انسانیت کی توہین قرار دیتا ہے، اس لیے عورتوں پر پردہ واجب ہے۔ پردہ ناموس نسواں کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے اور اسلامی نظام معاشرت کی اہم بنیاد ہے۔ اسلام نے عورتوں کو پردہ کا حکم دے کر صنف نازک پر رحم کیا ہے۔ پردہ سے عورت کی پاک دامنی وعفت محفوظ رہتی ہے۔ پردہ تحفظ کا احساس پیدا کرتا ہے اور شرم وحیا کو نہ صرف باقی رکھتا ہے؛ بلکہ اس میں اضافہ کرتا ہے، پردہ اسی لیے مشروع کیا گیا ہے کہ معاشرہ بدنظری، نمائش اور شیریں کلامی کے فتنہ سے محفوظ رہے۔

رسولؐ نے فرمایا: ''جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے''، یہ چھوٹے چھوٹے لباس جس کی وجہ سے عورتیں تقریباً برہنہ معلوم ہوتی ہیں' موجب عذاب اور کافر عورتوں سے مشابہت یقیناً بہت بڑا فتنہ ہے اور بے دینی اور بے حیائی ہے، ضروری ہے اس سے بچا جائے اور عورتوں کو سختی کے ساتھ نیم برہنہ ہونے سے منع کیا جائے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ: ''عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے اور اس کے پیچھے ہو لیتا ہے''، عورت کے لیے ثواب اور نیکی کی بات یہ ہے کہ وہ گھر کے گوشہ میں رہے تاکہ بازاری شیطان اسے گناہ میں مبتلا نہ کرسکے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر اس نے توبہ کرلی اور گناہ سے باز آ گیا اور استغفار کیا تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ کیا تو وہ سیاہ نقطہ اس کے دل پر پھیل جاتا ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: ''ہرگز نہیں ؛ بلکہ ان کے دل زنگ آلود ہوگئے، ان کے گناہوں کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں''۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نگاہ دل کو خبر دینے والی جاسوس ہے جو دل کی طرف دیکھی ہوئی خبریں نقل کرتی رہتی ہے اور ان کی صورتیں اس میں نقش کرتی رہتی ہے، اس طرح سے انسان کو فکر آخرت کے مفید امور سے ہٹا کر بے کار کاموں میں مصروف کردیتی ہے، اس لیے شریعت نے ان کاموں سے جو فتنہ اور گناہ کا سبب ہیں ان سے نگاہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔

بدکاری کی نشرواشاعت عورت اور مرد کے بے حجابانہ میل جول سے کچھ کم فتنہ انگیز نہیں ہے، خیالات وجذبات کے بنانے اور بگاڑنے میں پبلی سٹی کا بڑا دخل ہوتا ہے، آدمی کے فکر احساس اور جذبات کا جو کچھ سرمایہ ہے، نشرواشاعت کے ذرائع اس کا مصرف متعین کرتے ہیں، عفت کی زندگی اس وقت گزاری جاسکتی ہے جبکہ بدکاری کی طرف دعوت دینے والی زبان کاٹ دی جائے اور معصیت کے چرچوں کو بند کردیا جائے، جو شخص بے حیائی پھیلائے اسے عبرت ناک سزا دی جائے خواہ وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔

آج کا حال یہ ہے کہ ایک شخص خواہ بازار کا تاجر ہو یا کارخانہ کا ملازم ہو، کالج کا طالب ہو یا آفس کا کلرک ہو، کسی ہوٹل میں بیٹھا ہو یا پارک میں سیر وتفریح کررہا ہو، ہر جگہ صنف مقابل معصیت کا پیغام لیے موجود ہے۔ زندگی کا کوئی

گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں موجودہ تہذیب نے عورت اور مرد کے ساتھ عمل دخل کو لازم نہ کر دیا ہو، ماحول کو اس قدر رنگین و جاذب بنا دیا ہے کہ قدم قدم پر نگاہیں بھٹکنے لگتی ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شہوانیت ہر طرف بھیک کا پیالہ لیے گھوم رہی ہو، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ: ”کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان نہ چلے“۔ عورت انتہائی شوخ لباس میں بن سنور کر گھر سے نکلتی ہے اور معاشرہ کی پاکیزہ فضا میں معصیت کے جراثیم پھیلاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں مردوں کے لیے بنتی سنورتی تھی اور مرد عورتوں کے لیے اپنی آرائش کرتے تھے، اس کے نتیجے میں اخلاقی برائیاں پھیل گئی تھیں، اس قسم کی بے شرمی کی دوسری باتیں اسلام سے پہلے موجود تھیں، اس لیے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ ان کی یہ روش اختیار نہ کرو۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ خدا کے فرمان کو پس پشت ڈال کر اس زمانہ میں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو اسلام سے پہلے عورتیں کیا کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ”کچھ عورتیں ایسی ہوں گی جو کپڑے پہنے ہوں گی مگر وہ برہنہ ہوں گی، مردوں کی طرف خود مائل ہوں گی اور ان کو اپنی طرف مائل کرتی ہوں گی“۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن و حدیث کو اپنا رہنما بنائیں اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کریں اور جہنم کے دردناک عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردگی سے روکیں تاکہ دنیا و آخرت دونوں جہاں کی رسوائی سے حفاظت ہو سکے۔

❁❁❁

سیرت طیبہ کے سلسلۃ الذہب کا نیا شاہکار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین

تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی

عہد حاضر میں محدثین ہند کی عظیم الشان روایات کے وارث و امین حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تصنیفی و تالیفی زندگی کی حاصل، سرور دو عالم ﷺ کی سیرت پاک سے روشنی اور رہنمائی کے لیے موجودہ عہد کے تقاضوں اور جدید انسانی معاشرہ و مزاج کی مناسبت سے حضور پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی دلنشیں، دلنواز اور دلکش تشریح علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کے سو سال بعد سیرت نگاری میں مجددانہ کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں خیر و برکت کی حامل یہ سیرت مصطفی عرب و عجم کے اہل نظر کی داد و تحسین کے مطابق:

۱ حضور ﷺ کی ذات اور سیرت پر لکھنے کا مطلب ہے کہ حرمین شریفین پر بھی قلم اٹھایا جائے، یہ وہ نکتہ ہے جسے ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اس کتاب میں خاص طور پر ملحوظ رکھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین (ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی - سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

۲ یہ سیرت پاک کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، میں اس کو شیخ ندوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل ربانی سمجھتا ہوں۔ (ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم - امام و خطیب مسجد حرام مکۃ المکرمہ)

۳ یہ جامع انسائیکلو پیڈیا ہے، مشرق و مغرب میں پوری امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔
(ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین)

۴ یہ عظیم الشان کتاب جامعیت اور دلکشی میں بے مثال اور عظیم شاہکار ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں افراط و تفریط دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، زبان عصر حاضر کے فہم کے مطابق ہے۔
(ڈاکٹر موفق بن عبد اللہ - استاذ حدیث جامعہ ام القریٰ)

۵ بنیادی خوبی یہ ہے کہ سیرت نبوی پر لکھنے کے لیے جن باتوں کا علم ضروری ہے اس میں صاحب کتاب کمال مہارت کے حامل ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایمان و عقیدہ کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ (مولانا سید محمد رابع ندوی)

دیدہ زیب کتابت، بہتر مجلد خوبصورت سرورق کے ساتھ تین جلدوں کا مکمل سیٹ حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی اور دیوبند اور ندوہ کے مشہور مکتبوں سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

پتہ: **جامعہ بُکڈپو** جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
موبائل نمبر: 9450876465 9532829745
قیمت: 2000 خصوصی رعایت کے ساتھ قیمت: 750

محاسنِ اسلام

اسلامی نظام تکافل: ایک بہترین متبادل

منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء)

انسانی زندگی خطرات سے پر ہے، کوئی فرد کبھی بھی کسی حادثہ سے دوچار ہوسکتا ہے، زندگی میں جس قدر سہولتیں بڑھ رہی ہیں اسی قدر حادثات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، کبھی نقصان جسمانی ہوتا ہے، مثلا بیماری، کبھی مادی مثلا کاروبار میں نقصان کا ہونا، کبھی ناگہانی آفات سے انسان مبتلا ہوتا ہے، مثلا سیلاب، زلزلہ، موجودہ وقت میں بہت سے امراض ایسے ہیں کہ عام انسان نے لئے اس کے اخراجات کو برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے، صحت کے مسائل دن بدن بڑھتے جارہے ہیں، ان خطرات اور حادثات کی تلافی کرنے کو رسک مینجمنٹ کہا جاتا ہے۔

رسک مینجمنٹ کا نظام ہر دور میں رہا ہے، اسلام نے اخوت کا بہترین تصور پیش کیا، اور انصار ومہاجرین صحابہ نے اس کو جس طرح برتا ہے اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، زکوۃ اور صدقہ کا نظام اسی لئے ہے کہ سماج میں اقتصادی ناہمواری کو ختم یا کم کیا جائے، غریبوں کی مدد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، پریشان حال افراد کو پریشانی سے نجات دلانا اسلامی کی بنیادی تعلیمات ہیں، کوئی شخص مصیبت میں ہے، ناگہانی حادثہ سے دوچار ہے یا ناقابل برداشت مسائل کا اسے سامنا ہے تو اسے تنہا نہیں چھوڑا جائے گا، مسلم معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ مصیبت سے دوچار اور مسائل سے پریشان فرد کی اس طرح مدد کی جائے کہ وہ اس پریشانی سے نجات پاسکے، شرعی تعبیر میں اس نظام کو تکافل (انشورنس) کہا جاتا ہے۔

تکافل کا لفظ کفل سے بنا ہے، جس کا ایک معنی ضمانت لینا اور تربیت وپرورش کرنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

فقال اکفلنیھا وعزنی فی الخطاب۔ (سورہ ص:۲۳) اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے دو اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے۔

سورہ آل عمران (۳۷) میں ہے: **وکفلھا زکریا** اور اس کی زکریا نے کفالت کی۔

احادیث میں کفل سے مشتق الفاظ آئے ہیں، حضرت عبداللہ بن ابوقتادہ اپنے والد کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نماز جنازہ پڑھانے کے لئے لائے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کے اس ساتھی پر قرض ہے؟ ابوقتادہ نے کہا: **انا اکفل بہ** (میں اس کا ضامن ہوں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرض ادا کرنے کا؟ انہوں نے کہا ہاں قرض ادا کرنے کا۔ (مسند احمد، ج ۳۷، ص: ۲۶۴)

اس بنیادی مفہوم کے پس منظر میں تکافل کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر مروج ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کا ضامن بننا، یا باہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا۔

معجم لغۃ الفقہاء میں تکافل کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے: کفالت، نفقہ اور اعانت کا تبادلہ، یعنی خیال رکھنا اور برداشت کرنا اور اسی سے تکافل المسلمین ہے، یعنی مسلمانوں کا ایک دوسرے کا خیرخواہ ہونا اور خرچ کے ذریعہ خیال رکھنا۔ (ص: ۱۴۲)

سید قطب شہیدؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بلاشبہ اجتماعی تکافل ہی اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے، اور مسلمانوں کی جماعت پابند ہے کہ وہ اپنے کمزوروں کے مفادات کا خیال رکھے۔

(فی ظلال القرآن، ج ۱، ص: ۲۱۲)

اسلام میں تکافل کی بنیاد باہمی تعاون، باہمی امداد اور تبرع پر قائم ہے، قرآن مجید اور احادیث میں اس سلسلے میں ترغیبی ہدایات موجود ہیں، ارشاد باری ہے:

وتعاونوا علی البر والتقوی (مائدہ: ۲) نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔

انما المومنون اخوۃ (حجرات: ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

والمومنون والمومنٰت بعضھم أولیاء بعض۔ (مائدہ: ۵۱) مومن مرد اور مومن عورت ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کا یہ مزاج بنایا ہے کہ وہ دوسرے بھائیوں کا دکھ دیکھ نہیں سکتے، کوئی مسلمان تکلیف میں ہو تو پوری دنیا کو مسلمانوں کو بےچین ہوجانا چاہئے جب تک کہ اس

کی پریشانی ختم نہ ہوجائے، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسد کی طرح قرار دیا کہ جسم کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو پورا جسم اسے محسوس کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

ترى المومنين في تراحهمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۶۵)

تم مسلمانوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے، اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھوگے، اگر ایک عضو بیمار ہوگا تو سارا جسم بخار اور بیداری میں اس کے ساتھ ہوگا۔

المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره اله يوم القيامة(صحیح بخاری: ۶۵۵۱، صحیح مسلم: ۲۵۸۰)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، اور نہ اسے دشمن کے حوالہ کرتا ہے، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالی اس کی ضرورت پوری کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی تکالیف میں سے ایک تکلیف کو دور کرے گا، اور جو کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے عیب کو چھپائے گا۔

المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يظلمه ولا يخذله ولا يكذبه ولا يحقره۔

[صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۶۴

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے، نہ اسے جھوٹ بولتا ہے، اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، اچانک ایک شخص اپنی سواری کے ساتھ آیا اور دائیں بائیں کچھ دیکھنے لگا، گویا وہ کچھ تلاش کررہے ہوں، یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۲۸) جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس سوار نہیں ہے، اور جس کے پاس زائد کھانا یا غلہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس غلہ نہ ہو۔

مذکورہ بالاآیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر دوسرے کمزور و پریشان حال مسلمان کی مدد کرنا لازم ہے، سماج کے خوشحال طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کمزور طبقہ، محتاج اور معذور افراد کی ذمہ داری قبول کرے۔

باہمی مدد اور تعاون کی ایک شکل انفرادی ہے کہ ہر فرد اپنی صلاحیت اور طاقت کے لحاظ سے دوسرے ضرورت مند مسلمان کی مدد کرے، ہر علاقے کے مسلمانوں میں یہ مزاج موجود ہے، اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اجتماعی طور پر ایسا نظام بنایا جائے۔

معاشی اعتبار سے تمام افراد برابر نہیں ہوسکتے ،تفاوت باقی رہے گا یہ ایک فطری امر ہے، مگر سماج کے تمام افراد کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری ہونی چاہئے، انہی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے زکوۃ، صدقات اور عشر کا نظام ہے، جس کا مقصد سماج کے کمزور اور معاشی بدحالی کے شکار افراد کو اوپر لانا ہے، سید قطب شہیدؒ نے لکھا ہے کہ زکوۃ اسلامی نظام تکافل کی شاخوں میں سے ایک اہم شاخ ہے۔

(فی ظلال القرآن، ج ۴، ص: ۴۱)

زکوۃ وصدقات اور عشر ایک مستقل نظام ہے، اس کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کی گئی ہے، یہ عام حکم ہے، اسی طرح ہنگامی حالات میں انفاق کا حکم الگ ہے۔

شریعت میں تکافل کی ایک اور نظیر ملتی ہے، غیر ارادی طور پر قتل کی صورت میں دیت واجب ہوتی ہے، اور یہ دیت قاتل کے ساتھ اس کے عاقلہ (افراد خاندان مثلا بھائی، چچا، اولاد وغیرہ) پر بھی واجب ہوتی ہے، اس کا مقصد یہی ہے کہ دیت کی رقم کا تنہا ادا کرنا بہت مشکل ہے، لیکن خاندان افراد مل کو اس بوجھ کو بانٹ لیں گے تو اس کی ادائیگی آسان ہوجائے گی، مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ نے اس بارے میں بڑی اچھی بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

اس میں حکمت یہ ہے کہ غیر ارادی طور پر ہونے والے جرائم بکثرت ہوتے ہیں، اور آدمی کی دیت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، لہذا اس کو اکیلے خطا کار کے مال میں واجب قرار دینا اس پر اس کے مال میں ناقابل برداشت ذمہ داری ڈالنے کا باعث ہے، چنانچہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بطور ہمدردی واعانت اس کی دیت عاقلہ پر بھی واجب قرار دی جائے۔ (المغنی، ج ۱۲، ص: ۲۱)

بقیہ صفحہ ۲۵/ پر

دینِ کامل

تہذیبِ جدید کے اثرات

عبدالرحیم ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

ابلیسی تہذیب جو اس وقت تقریباً پورے عالم پر چھائی ہوئی ہے ہر جگہ اسی کا سایہ نظر آرہا ہے، ہر شعبہ زندگی میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے، کیا شہر، کیا قصبہ، کیا گاؤں کیا دیہات، کوئی جگہ اس کے ناپاک اثر سے پاک نہیں ہے: بچے، جوان، بوڑھے، ادھیڑ، مرد عورت سب اس کی زلف کے اسیر ہیں، شعوری اور غیر شعوری طور پر اس میں گرفتار ہوتے جا رہے ہیں، مشاہدہ یہ ہے کہ جس جگہ اس تہذیب کا جتنا گہرا اثر ہے اس جگہ اسلامی تہذیب وثقافت کا اتنا ہی فقدان ہے، اس لیے کہ اسلامی تہذیب، اور اس، ابلیسی تہذیب کے درمیان تضاد کی نسبت ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ اس تہذیب کے معماروں کا اولین مقصد اسلامی تہذیب کی بیخ کنی ہے۔

موجودہ تہذیب اور فیشن کا اگر آپ گہرائی سے مطالعہ کریں تو ایسا لگتا ہے کہ بڑی گہرائی سے اسلامی ثقافت کا بلکہ اسلامی سرچشمے یعنی قران وسنت کا انہوں نے مطالعہ کیا ہے اور بڑی گہری سازش کے تحت تہذیب جدید کا کینوس تیار کیا ہے اور دھیرے دھیرے اس میں رنگ بھرنے کا کام کیا جا رہا ہے چونکہ ابلیسی تہذیب عین نفس کے مطابق ہے اس لیے آدمی بڑی آسانی سے اس کا شکار ہوا جا رہا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ معاشرہ جس کو اپنی تہذیبی روایت پر فخر تھا اس کی بھی چولیں ہلتی جا رہی ہیں، جن گھرانوں کو اپنی خاندانی روایت پر ناز تھا وہ بھی اس سیلاب کو سہار نہیں پا رہے ہیں۔

آپ ذرا غور کیجئے اور دیکھیے کہ اس تہذیب کی ایک ایک چیز کس طرح اسلامی تہذیب وروایات سے متصادم ہے مثلاً اسلامی تہذیب یہ ہے کہ مسلمان رات میں عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو جائیں تاکہ سحر خیزی آسان ہو اور شب بیداری کر سکیں، مسامرہ (رات کو گفتگو کرنا) اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، اب موجودہ تہذیب میں فیشن یہ ہے کہ جو فیملی جتنی زیادہ ہائر یعنی اونچی فیملی ہوگی اتنی ہی زیادہ رات تک جگے گی اور بسا اوقات فخریہ یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ ہم لوگ تو گیارہ بجے رات کو کھانا کھاتے ہیں۔ لباس کے باب میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مردوں کا لباس ٹخنوں سے اوپر رہے، ساتر ہو موجودہ تہذیب میں ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا پتلون رکھنا فیشن ہے۔ کھانا کھا کر انگلیاں چاٹنا آپ ﷺ نے سنت بتایا ہے اور اس تہذیب نے چمچے اور کانٹے کو رواج دیا تاکہ انگلیوں کے چاٹنے کا کوئی سوال ہی نہ رہے۔ اسلامی تہذیب میں بیٹھ کر کھانا سنت ہے اور اب بفے سسٹم یعنی کھڑے ہو کر کھانا بلکہ چل چل کر کھانا فیشن اور اونچی سوسائٹی میں ہونے کی علامت ہے۔

ہماری تہذیب میں صبح آفتاب نکلنے سے پہلے بیدار ہو جانا ضروری ہے لیکن اس تہذیب میں دن نکلنے تک سوتے رہنا ثقافت ہے۔ ہر ذی شعور آدمی اتنا جانتا ہے اور مانتا ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کا لباس زیادہ ساتر ہونا چاہیے اور اسلام نے عورت کو سر تا پیر ڈھکنے کا حکم دیا ہے لیکن اس دور کے روشن خیال لوگوں کی روشن خیالی کو دیکھیے یہ عورت جتنا زیادہ برہنہ ہو، اس کا لباس جتنا زیادہ تنگ ہو، اس کا بدن جتنا زیادہ کھلا ہو وہی اچھا فیشن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ ایک باپ اپنی جوان بیٹی کو اپنے ساتھ لیے جا رہا ہے، باپ نے فل آستین شرٹ اور ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا پتلون پہن رکھا ہے اوپر سے ٹائی بھی لگا رکھی ہے اور پیر میں موزے بھی پہنے ہوئے ہیں اور اسی کے بغل میں اس کی جواں سال بیٹی ہے جو معمولی کپڑے میں، اسکٹ پہنے ہوئے اپنی نسوانیت کو رسوا کر رہی ہے اور حیا کے غازہ کو نیلام کر رہی ہے اور وہ بے حیا باپ فیشن کے نام پر نہ صرف انگیز کر رہا ہے بلکہ خوش ہوا جا رہا ہے اور اس کی حس مردہ ہو چکی ہے کہ اگر وہی لڑکی پورے کپڑے میں ملبوس ہوتی اور کسی کی نگاہ غلط بھی اس کی پنڈلی پر پڑ جاتی تو اس کی غیرت بھڑک اٹھتی لیکن فیشن کے نام پر اس کی غیرت مردہ ہو گئی ہے اور اس کا شعور سلب ہو گیا ہے۔

اسلام میں کتے کو نجس قرار دیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، موجودہ تہذیب میں کتا پالنے کا رواج کتنی تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔

اس حقیقت کا اندازہ سب کو ہے اسلام میں عورت کا مرد کی شکل اختیار کرنے اور مرد کو عورت کی شکل اختیار کرنے پر سخت وعید آئی ہے، موجودہ تہذیب اس کے برعکس فیشن کو رواج دے رہی ہے، مردوں کے اندر سے مردانگی کی صفات ختم ہو رہی ہیں، داڑھی کو مسٹر نے چہرے سے غائب کر لیا اور میڈم نے سر کے بال کتروا ڈالے، دونوں

نے جینس چڑھالی اور یہ لیجیے مساوات کا اعلیٰ نمونہ آپ کے سامنے ہے۔

سود خوری اور رشوت اس دور کا ایسا رائج الوقت سکہ ہے کہ اس کے بغیر لگتا ہے کوئی زندہ ہی نہیں رہ سکتا، گنتی کے لوگ ہیں جو اس سے محفوظ ہیں، غیروں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں اس کی شناعت کا تصور بھی نہیں ہے مگر مسلمانوں میں بھی بہت کم لوگ بچنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو بچنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ بھی فقہی رو سے تو بچ رہے ہیں، ورنہ جو سودی نظام چل رہا ہے اس سے تو نہ چاہتے ہوئے بھی سابقہ پڑ ہی جاتا ہے، یہ مشتے نمونہ از خروارے، ورنہ آپ اسلامی طرز زندگی جو ہم سے مطلوب ہے اس کو دیکھیے اور موجودہ تہذیب کو دیکھیے تو ہر بات متصادم نظر آئے گی۔

اگر ہم نے اپنے گھروں کی خبر نہ لی اور اسلامی تہذیب وثقافت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے اور غیر اسلامی تہذیب سے دور رہنے کی کوشش نہ کی تو جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہونے والا ہے، آنے والی نسل کی ایمان کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی، اس لیے کہ ایمان اور عقیدہ یہ اندرون کی چیزیں ہیں اور تہذیب اور ثقافت ہی کسی قوم کی شان امتیازی ہوتی ہیں۔

اگر ہم نے اپنی تہذیب کو ترک کر دیا اور دوسروں کی تہذیب میں رنگ گئے تو ہمارا وجود خطرے میں ہے اور دشمن بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کی تہذیب پورے عالم پر چھا جائے اور ہم صرف نام کے مسلمان باقی رہیں، اس لیے ہم کو اپنے معاشرہ میں اسلامی تہذیب کو رائج کرنے اور غیروں کی تہذیب وثقافت، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، گفتار کردار اور طرز رہائش کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے: "من تشبہ بقوم فھو منھم" اکبر الہ آبادی نے اسی بدلتی ہوئی تہذیب کا نقشہ اپنے خاص اسلوب میں اس طرح کھینچا تھا:

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے
نہ پیدا ہوگی خط نسخ سے شان ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیب رقم ہوں گے
خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے
بہت ہوں گے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال وسم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاشا سے ضم ہوں گے
بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ وحشم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر وبم ہوں گے
تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

مناجات

شعیب احسن اعظمی ندوی

اے کرم گستر، شفیق و مہرباں
مالکِ ہر دو زمین و آسماں

اے کہ ہر اک شے تری قدرت میں ہے
اے کہ تابعدار تیرے انس و جاں

کیا تری تسبیح میں لکّھے قلم
سب تری تعریف میں رطب اللساں

سب کو تیرے ذکر ہی سے کام ہے
خلقتِ خاکی و نوری بے گماں

تو کہ تیرے وصف وہّاب و عطا
فضل وبخشش، جود سب تیرے نشاں

تو کہ تیرے در سے ہے مایوس کون
تو کہ ہر اک پر ہے یکساں مہرباں

تیرے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں میں
نفع سے یا رب بدل دے ہر زیاں

آرزوؤں کو مری شاداب کر
کوششوں کو میری کر دے کامراں

تو تو واقف ہے مرے مقصود سے
اک دعا ہے ہر دعا کے درمیاں

تذکیر وارشاد

نسلِ نو کی تربیت میں گھر کا کردار

تحریر: شیخ محمد الغزالی ترجمانی: احمد الیاس نعمانی ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

بچوں کی تربیت میں گھر کا بڑا کردار ہے، بلکہ شاید دین ومادری زبان کے سلسلے میں گھر ہی اصل حیثیت رکھتا ہے، علمائے اخلاق کے نزدیک تربیت کے دو اہم ترین عناصر نسلی اثرات اور ماحول ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان دونوں عناصر میں سے زیادہ قوی عنصر کون سا ہے اس کے سلسلے میں ان کا اختلاف ہے۔ ایک عرب شاعر کا شعر ہے:

وينشأ ناشئ الفتيان فينا
على ما كان عوّده أبوه

(ہمارا نوجوان وہ مزاج پاتا ہے جس کی تربیت اس کا والد اسے دیتا ہے)۔

کیا اکیلا باپ بچوں کو اچھی عادات کا عادی بنا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جسمانی ومعنوی اثرات میں ماں کا بھی ایک کردار ہوتا ہے، جب حضرت مریم اپنے اس بچے (عظیم نبی حضرت عیسیٰ) کو لوگوں کے پاس لائیں جس کے باپ معروف نہ تھے تو لوگوں نے ان سے کہا: "يا أخت هارون ما كان أبوك امرأ سوء وما كانت أمك بغيا" (اے ہارون کی بہن! تمہارا باپ تو برا آدمی نہیں تھا، اور نہ ہی تمہاری ماں بد کردار تھی) اولاد پر بلکہ پوتوں پر بھی دونوں والدین کے اثرات پڑتے ہیں، اسی لئے ہم پورے گھر کو اولاد کے تئیں ذمہ دار مانتے ہیں، اور بچوں کے حال و مستقبل کے لئے ماں باپ سے یکساں طور پر مکمل فکر ونگہبانی کا مطالبہ کرتے ہیں، برباد گھروں پر اچھے معاشرے کی تعمیر ناممکن ہے، بچوں کی تربیت کا فقدان اس بات کا اعلان ہے کہ امت کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

اسلام نے باپ کو حکم دیا ہے کہ وہ نوافل اپنے گھر میں پڑھے، تاکہ اس کی اولاد رکوع اور سجدوں سے مانوس ہو، اور گھر میں تلاوت کرے، تاکہ گھر کی فضا قرآنی معانی سے معطر رہے، ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: "اپنی کچھ نمازیں گھروں میں بھی پڑھا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ" یعنی وہ گھر جس میں نماز نہ پڑھی جائے وحشت ناک قبرستان جیسا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے: "جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور جس میں نہ کیا جائے ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی ہے"، ایک اور موقعہ پر آپؐ نے فرمایا: "اپنے گھر میں انسان کی نماز نور ہے، پس اپنے گھروں کو منور کرو"۔

اسی طرح شریعت نے بچوں کو کم عمری میں ہی نماز سکھانے اور اچھے اخلاق کا عادی بنانے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ نیک وشریف جوان بنیں، باغیرت مربیوں کا خیال ہے کہ ثقافتی استعمار نئی نسل پر خاص توجہ دیتا ہے، وقت ضائع کرنے والی نسلیں کامیاب نہیں ہوا کرتیں، ان میں بس حیوانوں جیسی خواہشات پائی جاتی ہیں، ہاں ان کو نظریاتی علوم کا تھوڑا بہت علم ہوتا ہے، اور ان سے نہ بلند ہمتی پیدا ہوتی ہے اور نہ باعزت مقام حاصل ہوتا ہے۔ تیسری دنیا کی اکثر قومیں اسی خراب حالت میں ہیں۔

شیخ احمد موسیٰ سالم نے لکھا ہے کہ ہمارے ممالک میں بچپن قومی ضیاع، اور بے وطنی سے دوچار ہے، یعنی ہمیں اپنے قومی فضائل، اپنی عظمت رفتہ، دین کی اہمیت اور زبان کی ملاحت وشیرینی کا خود علم نہیں ہے، بچا بولنا شروع کرتا ہے تو دیگر زبانوں کے الفاظ اس کی زبان پر ہوتے ہیں، یا پھر بازاری زبان بولتا ہے، اور نوخیزوں کو ایسی مہم کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس پر اجنبی فکر حاوی ہوتی ہے، ان کے سامنے جو تصویریں ہوتی ہیں وہ دوسروں کی عظمتیں قائم کرتی ہیں، ایسی کتابیں اور رسالے ان کو ملتے ہیں جو ہمیں مجروح کرتے ہیں، ہمیں اپنی اصل سے دور کرتے ہیں، اپنے دین سے غافل بناتے ہیں اور صرف یورپی طرز زندگی سے آشنا کرتے ہیں۔

جب ہمارے بچے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں کیا اقدار نقش ہوتے ہیں؟ ایک ممتاز فٹ بال پلیر کی تصویر جو دوڑ رہا ہو اور لوگ اس کے شاندار شاٹ کی داد دے رہے ہوں، یا کسی ڈرامہ کی ایکٹریس جو اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ہنس یا رو رہی ہو اور سامنے کو یا پیچھے کو جا رہی ہو؟

ان مناظر کے پروردہ بچے کبھی بھی کوئی اونچا مقام نہیں پا سکتے، اس کا تو سوال ہی کیا ہے کہ یہ امت کے تہذیبی، اقتصادی اور سماجی برے حال کو کچھ بہتر کر سکیں۔

میرا خیال ہے کہ بچوں کی تربیت کے لئے ایک نئی علمی وادبی پالیسی وضع کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ ہمارے انجام کا بس خدا ہی مالک ہے۔

اگر بچا سچ بولنا گھر میں نہیں سیکھے گا تو پھر کہاں سیکھے گا؟ اگر والدین کی آغوش میں اسے وفاداری، امانت داری اور نرم مزاجی کی تربیت نہیں ملے گی تو پھر کہاں ملے گی۔

کیا گھر کی ذمہ داری بس اپنے افراد کے لئے چارے پانی کا انتظام کرنا ہے؟ کیا ہم نے یہ آیت قرآنی نہیں سنی: ''یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم نارا وقودها الناس والحجارة'' (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے)۔

اخلاقی انحطاط کی سزا قیامت پر موقوف نہیں ہے، ہمارا مشاہدہ ہے کہ خراب اخلاقی حالت کی حامل قوموں کی کوئی حیثیت دنیا میں نہیں ہوتی ہے، وہ عام طور پر غربت اور ذلت کی شکار ہوجاتی ہیں۔

ہر مضبوط اور ذہین فرد درحقیقت ایسے بچپن کا تیار کردہ ہوتا ہے جو برائیوں اور لاپرواہیوں سے محفوظ ہو، اور جس پر سمجھ دار ماں اور بیدار مغز باپ کی نگرانی رہی ہو۔

اپنی جوانی میں میں نے ایک غیر ملکی عورت کو دیکھا، کہ وہ شام کے وقت اپنے بچوں کو جمع کرتی، ان کے ہاتھ میں کاپیاں ہوتیں، اور ماں ان کے ہوم ورک کی نگرانی کرتی تھی، جب بچے سڑک پر برائے تفریح جاتے تو وہ کھڑکی سے ان پر نظر رکھتی، کہ کہیں ان کو کوئی گاڑی ٹکر نہ ماردے یا کہیں غلط لوگوں سے ان کی لڑائی نہ ہوجائے۔

اسی لئے میرا کہنا ہے کہ خاتونِ خانہ کی ذمہ داری کوئی آسان ذمہ داری نہیں ہے، یہ لذت اندوزی اور جنسی شہوتوں کے تقاضوں سے پرے ایک منصب ہے:

الأم مدرسة إذا أعددتها
أعددت شعبا طیب الأعراق

(ماں ایک گہوارۂ علم وتربیت ہے، اگر آپ نے اس کی اچھی تربیت کردی تو گویا کہ آپ نے نیک فطرت خاندان تیار کردیا)۔

امت اسلامیہ پر کئے گئے استعماری حملے کے دو ہدف تھے: ایک عورت کو ایسا جاہل رکھنا کہ وہ اپنے یا دنیا کے بارے میں کچھ نہ جانتی ہو، دوسرا یہ کہ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوجائے تو اسے بے کار کے کاموں، فیشن، جدید تمدن کے مظاہر میں الجھا دینا اور عقل، محنت نیز انفرادی واجتماعی ترقی سے دور رکھنا۔

استعمار نے اس کے لئے اس تعلیم کو ہتھیار بنایا جس کے ساتھ تربیت کا کوئی نظام نہیں تھا، اگر کوئی شخص دینی تعلیم کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کو ایسے نصاب کے ذریعہ خاموش کردیا جاتا ہے جس میں بچے دو چار چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرلیں، اور بس اس طرح دینی تعلیم وتربیت کے خلا کو گویا کہ پر کردیا جاتا ہے۔

استعمار نے بچوں کو گمراہ کرنے کے بعد بڑوں کو بھی بگاڑنا شروع کیا، اسی صورت حال کے پیش نظر میں نے اس المناک خیال کو احاطۂ تحریر میں لانے کا فیصلہ کیا، اور میرے لکھنے کا حاصل صرف یہ ہے کہ: شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات نوجوانی کے آغاز سے آج تک روزنامہ اخبارات پڑھتے وقت میں اس کالم کو چھوڑ دیتا ہوں جس کا عنوان ہوتا ہے: ''آج شام آپ کہاں جائیں؟ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ اور مجھے کسی ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے جو میرے اوقات کو منظم کرے، میں ہمیشہ اپنے علم اور لوگوں کے نفع میں اضافہ کا خواہش مند رہتا ہوں، اور ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد مجھے فرصت شاذونادر ہی ملتی ہے۔

لیکن پچھلے مہینہ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ میں یہ جانوں کہ لوگ شام کو اپنے اوقات کیسے گزارتے ہیں، تو میں نے ایک کثیر الاشاعت روزنامہ لیا اور ان فلموں کے نام پڑھنے شروع کئے جن کے ساتھ لوگ اپنی شامیں بسر کرتے ہیں، صرف ایک شام کے لئے اعلان کئے گئے جب ان ناموں کو میں نے پڑھا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی: **لهیب الشیاطین** (شیطان کے شعلے) **السغلة المحترفون** (پیشہ ور حقیر لوگ) **ثورة کنج کونج** (کنج کونج کی بغاوت) چونکہ میرے علم میں ایسی کوئی بغاوت نہیں تھی جس کے قائد کا نام کنج کونج ہو اس لئے میں نے ایک صاحب سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ایک بہت خوفناک بندر ہے جو ہر چیز کو ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔

میں نام پڑھتا چلا گیا: **الرجل المدمر** (تباہ کن مرد) **میراث الغضب** (غصہ کی وراثت) **علاء الدین، النمر والأنثی** (تیندوا اور عورت) **رجل في عیون امرأة** (عورت کی نگاہ میں مرد) **جری الوحوش** (وحشی جانوروں کی دوڑ) **عزبة الصفیح، الملعوب** (کھلونا)، **قسوة الانتقام** (انتقام کی آگ) **قاهر التماسیح** (مگرمچھوں کا بادشاہ) **النینجا الجبار** (ظالم نجا) میں اس نجا کو نہیں جان سکا، **الثأر والانتقام** (بدلہ اور انتقام) **الهجوم الدامی** (خون ریز حملہ) **القتلة**

الطائرون (اڑتے ہوئے قاتل) معرکۃ التنین الجبار (زبردست بھوت کی جنگ) سیف الشیطان (شیطان کی تلوار) بنات من نار (آگ کی لڑکیاں)۔

جس شام کو یہ سب فلمیں دکھائی جائیں وہ خواہ بجلی کے قمقموں سے کیسی ہی روشن کیوں نہ ہو، حقیقت میں تاریک ترین ہے، کیسا مقام تعجب ہے؟ کہ ایک شام میں اتنی بڑی مقدار میں گھٹیا فکر پیش کی جاتی ہے، اور افسوس کہ پروپیگنڈہ کے اسیر اور غیروں کے ثقافتی حملوں کے مارے ہوئے لوگ گھنٹوں یہ سب کچھ دیکھتے ہیں، یقیناً ان سب کے نتیجے میں دلوں پر بہت غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

کیا ان چیزوں کو دیکھ کر ہمارا کوئی فرد اعلیٰ اخلاق کا حامل اور شریف النفس ہوسکتا ہے، یہ ڈرامے کیا اچھی تربیت میں معاون ہیں؟ اور کیا ان سے پاکیزہ اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے؟ ایسے گھروں کے پروردہ بچے عقل وقلب کے سلیم نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ چھوٹے بڑے گناہوں میں لت پت ہی ہوں گے۔

میرے نزدیک ہیروئن اور افیم بھی ان غیرملکوں سے برآمد شدہ تباہیوں سے کم تباہ کن ہیں، ان ڈراموں کو دیکھنے والی قوم کبھی بھی اچھا مستقبل نہیں پاسکتی ہے۔

اس دن شام تک ان ڈراموں اور فلموں کے یہ عناوین میری چشم تصور کے سامنے رہے، شام ہوئی تو میں نے یہ دعا پڑھی: ''اللهم اجعل مساء نا هذا مساء صالحا لا مخزيا ولا فاضحا'' (اے اللہ ہماری اس شام کو ہمارے لئے نیکی کا سامان بنانہ کہ ذلت ورسوائی کا)۔

❁❁❁

بقیہ صفحہ ۲۰/ کا

شریعت میں امداد وتعاون کے احکامات، انفاق کی ترغیبات اور دیت کے مذکورہ نظام کو سامنے رکھ کر باہمی تعاون کی ایک منظم شکل بنائی گئی ہے، جسے تعاون پر مبنی انشورنس یا میچول انشورنس کہا جاتا ہے، یہ اسلامی نظام تکافل کی ایک بہترین شکل بھی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک پیشہ، ایک ادارہ سے وابستہ افراد باہمی رضامندی سے یہ طے کرلیں کہ ہر فرد ماہانہ ایک متعین رقم جمع کرے گا، اور جب کبھی ان میں سے کسی کو کوئی حادثہ پیش آئے یا فلاں فلاں مسئلہ سے دوچار ہو تو اس اجتماعی فنڈ سے اس کی اس مقدار میں مدد کی جائے گی۔

مثال کے طور پر ایک علاقہ کے آٹو ڈرائیور اس طرح کی صورت اختیار کرسکتے ہیں کہ ہر ماہ ایک متعین رقم جمع کریں، اور یہ طے ہو کہ جب کبھی ان کی ٹیم کے کسی ڈرائیور کا یا اس کی گاڑی کا ایکسیڈینٹ ہوگا یا ڈرائیور کسی ناگہانی حادثہ سے چار ہوگا، تو نہیں اتنی رقم دی جائے گی تاکہ اس کی ناقابل برداشت مصیبت قابل برداشت بن جائے۔

ایک کمپنی یا ایک ادارہ کے عملہ کے درمیان بھی اس طرح باہمی تعاون کا نظام بن سکتا ہے، اس نظام میں ہر فرد تبرع کی نیت سے رقم کرتا ہے، لہذا ضرورت مند افراد طے شدہ اصول کے تحت رقم لے سکتے ہیں، اور جو افراد حادثہ سے محفوظ رہے وہ رقم واپس لینے کے حقدار بھی نہیں ہوں گے، کیونکہ انہوں نے تبرع کی نیت سے رقم جمع کی تھی، بلکہ وہ ثواب کے حقدار ہوں گے۔

معاصر فقہاء اور فقہی اکیڈمیوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

انشورنس کی پہلی صورت جو باہمی تعاون پر مبنی ہے، تمام ہی اہل علم کے نزدیک جائز ہے، اس میں نفع کمانا مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ افراد واشخاص کا ایک گروہ طے شدہ خطرہ پیش آنے کی صورت میں مصیبت زدہ شخص کی مدد کرتا ہے، اس لئے اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اس میں یک گونہ ''غرر'' ضرور پایا جاتا ہے کہ نہ معلوم اس اعانت کا فائدہ کسے پہونچے گا، تاہم یہ اس لئے مضر نہیں کہ غرر ان معاملات میں ممنوع ہے جن میں دونوں طرف سے عوض کا تبادلہ ہو، تبرعات میں غرر سے کوئی نقصان نہیں، اور انشورنس کی یہ صورت اسی قبیل کی ہے۔ (قاموس الفقہ، ج ۲، ص: ۳۹۶)

مروجہ تجارتی انشورنس کی شکلیں ربوا اور قمار میں مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، اکثر علماء اور فقہی اکیڈمیوں کا یہی فیصلہ ہے، اس تناظر میں حادثات، ناگہانی مصائب اور ناقابل براشت مادی نقصانات سے بچنے کے لئے تکافل ایک متبادل حل ہے۔

مسلمانوں کے زیر اہتمام چلنے کی والی تجارتی کمپنیوں میں ملازمین کے لئے، اسی طرح تعلیمی ورفاہی اداروں میں خدمت انجام دینے والے معلمین اور ملازمین کے لئے باہمی تعاون پر مبنی یہ نظام بنایا جائے تو اس سے ضرورت مندوں کی ضرورت کی تکمیل کا سامان اچھے انداز میں فراہم ہوگا، کسی پریشان حال کی پریشانی اس طرح دور ہوجائے گی، باقی شرکاء پر کوئی بوجھ بھی نہیں ہوگا، اور عزت نفس بھی محفوظ رہے گی۔ اس طرح کا نظام ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ چند سالوں میں اس تعاونی مد میں خطیر رقم جمع ہوجاتی ہے، جو ناگہانی مصائب کے وقت بہترین مداوا ثابت ہوسکتی ہے۔

❁❁

تاریخ ہند

جنگِ آزادی کے چند گمنام مجاہدین

محمد ارشد ندوی (دفتر پیام انسانیت، لکھنؤ)

جنگ آزادی کو عام طور پر تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔۱۸۵۷ سے قبل کی جنگ آزادی

۲۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

۳۔۱۸۵۸ء سے ۱۹۴۷ء یعنی ملک کی مکمل آزادی تک لڑی گئیں آزادی کی جنگیں۔

آیندہ سطروں میں ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے ادوار میں جنگ آزادی میں حصہ لینے والے ان مجاہدین (فریڈم فائیٹرس) کا تذکرہ ہے جنھیں بڑی حد تک فراموش کردیا گیا ہے:

۱۔ جنرل بخت خاں: بخت خان ایک روہیلہ جانباز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ہیرو اور کارزارِ حق وصداقت کا ایک مردِ مجاہد تھا، بخت خان نے تعلیم کی تکمیل کے بعد انگریزی فوج میں نوکری کرلی۔ کچھ عرصہ بعد غیرت وحمیت بیدار ہوئی، نوکری سے دست بردار ہوا، مولانا سرفراز علی کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی، پھر اس نے ایک جانباز مجاہد کی طرح ملک وملت کے لیے عظیم خدمات انجام دیں اور سرفروشی کی ایک مثال قائم کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بریلی، مرادآباد، رامپور اور نینی تال میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ اس کے بعد دارالسلطنت دہلی آیا اور بہادر شاہ ظفر کی فوج کا چیف کمانڈر مقرر ہوا۔ دہلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد لکھنؤ کا رخ کیا اور جب لکھنؤ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو مولانا احمد اللہ شاہ کے ہمراہ شاہجہانپور گیا، آخر میں محمدی لکھیم پور کے محاذ پر وہ نظر آتا ہے؛ لیکن اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تحریک آزادئ ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار) مولانا محمد میاں دیو بندی لکھتے ہیں کہ: غالب یہی ہے کہ حضرت محل وغیرہ کی طرح یہ بھی نیپال چلے گئے اور وہیں زندگی کے باقی دن پورے کیے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی، ج:۴، ص:۴۶۱)

۲۔ پیشوا نانا صاحب: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نانا صاحب نے کارہائے نمایاں انجام دیا، انگریزوں کو کان پور سے نکال باہر کیا، بعضوں کو قتل اور بعضوں کو قید کیا، پھر کان پور میں دہلی حکومت کی ماتحتی میں اپنی حکومت قائم کی۔ نانا صاحب ایک زبردست مجاہد آزادی، قائدانہ کردار کے مالک اور انصاف پسند لیڈر تھے، جب انگریزوں کی پلٹ وار سے نانا صاحب کی شکست ہوئی اور کانپور ان کے ہاتھ سے چلا گیا، تو وہ وہاں سے بھاگ کر ملک کے دوسرے شہروں میں پہنچ کر انگریزوں کے خلاف مورچہ بندی کرتے رہے اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے ملک وملت کو مستفید کرتے رہے۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص: ۱۹۳ تا ۲۰۴)

۳۔عظیم اللہ خاں: عظیم اللہ خاں نانا صاحب کے وکیل اور ان کے مشیر خاص تھے، ساورکر نے لکھا ہے کہ: ''۱۸۵۷ء کے اہم کرداروں میں عظیم اللہ خاں کا نام سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے، جو دماغ سب سے پہلے جنگ آزادی کے تصور سے متاثر ہوئے ان میں عظیم اللہ خاں کو نمایاں مقام دیا جانا چاہیے، بغاوت کو منظم اور مکمل کرنے والی بہت سی اسکیموں میں عظیم اللہ کی اسکیمیں خصوصیت سے قابل غور ہیں''۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص:۱۹۵)

۴۔قاضی عبدالجلیل: قاضی عبدالجلیل علی گڑھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے عظیم مجاہد تھے۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں علی گڑھ کے محاذ پر انگریزوں سے زبردست مقابلہ کیا، آخر تک ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ ۷/محرم ۱۲۷۳ھ کو اپنے ۲۷ ساتھیوں کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا، جامع مسجد علی گڑھ کے شمالی دروازے کے قریب تدفین عمل میں آئی، جنگ کے بعد انگریزوں نے جوش انتقام میں آپ کے مکانات وجائداد کو کھدوا پھینکا۔

(تحریک آزادئ ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، ص:۱۶۹۔۱۷۰)

۵۔مولوی وہاج الدین مرادآبادی: مولوی وہاج الدین نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ایک قائد کی حیثیت سے انتہائی سرگرمی سے کام کیا، آپ تین بھائی تھے اور تینوں جنگ آزادی میں دوش بدوش رہے۔ ۱۹/مئی ۱۸۵۷ء کو آپ کی قیادت میں مجاہدین کے جم غفیر نے جیل خانہ مرادآباد پر حملہ کرکے تمام قیدیوں کو رہا کرالیا، دیہات دیہات گھومتے ہوئے جنگ آزادی کی

تحریک میں لوگوں کو شمولیت کی دعوت دیتے رہے، جب انگریزوں نے نواب رامپور کی کثیر فوج لے کر مراد آباد پر حملہ کیا تو شاہزادہ فیروز شاہ کی سرپرستی اور آپ کی کمان میں مجاہدین آزادی نے نواب کی فوج اور انگریزوں سے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن ساز و سامان کی کمی کی وجہ سے شکست ہوگئی اور انگریز ۲۵/اپریل ۱۸۵۸ء کو شہر پر دوبارہ قابض ہوگئے، رمضان المبارک (اپریل ۱۸۵۸ء) میں ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان ایک فوجی رسالہ نے آپ کے دیوان خانہ میں داخل ہوکر آپ کو ایک ملازم سمیت گولیوں سے بھون ڈالا۔ (تحریک آزادیٔ ہند میں مسلمانوں کی قربانیاں، ص:۱۰۶۔۱۰۷)

۶۔مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی: مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی روح رواں اور سالار اعظم تھے، آپ کسی ایک مقام پر چین سے نہیں بیٹھے، مختلف شہروں اور قصبوں کا دورہ کرکے وہاں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی صور پھونکتے رہے، آپ نے قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور میں ایک آزاد حکومت بھی قائم کی جو زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"شاہ احمد اللہ صاحب کی شہادت پر روہیل کھنڈ کی ہی جنگ آزادی نہیں، بلکہ درحقیقت ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ختم ہوگئی۔ یہ وہ بہادر جاں باز تھا جس نے جنگ آزادی کی تحریک کا آغاز کیا، اس کی تبلیغ کی اور اس کو پروان چڑھایا، اور آخر میں اپنی جان دے کر اپنے عزائم ومقاصد کی بلندی پر مہر تصدیق ثبت کردی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، (واقعات وشخصیات) ص: ۳۰۳)۔ مولانا احمد اللہ شاہ کو اعلیٰ صلاحیت کا مالک اور پختہ عزم وہمت کا انسان قرار دیتے ہوئے میلسن لکھتا ہے کہ: "مولوی نے شمالی مغربی صوبوں کا دورہ کیا، اس کے دورے کا مقصد انگریزوں کے لیے راز ہی رہا...... اس نے اس دورے سے واپسی کے بعد باغیانہ اشتہار تمام اودھ میں جاری کیا، کلکتہ میں قیام کے دوران غالباً مولوی نے وہاں کی دیسی سپاہ سے مسلسل رابطہ قائم کیے رکھا اور وہ طریقہ ڈھونڈ نکالا جس سے سپاہ کے فطری جذبات پر خصوصی اثر ڈالا جاسکے" (چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، ص: ۱۰۵)۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف قلم بند کرتے ہیں: "اسی زمانے میں وطن کا ایک مرد مجاہد اپنے سر میں آزادیٔ وطن اور حفاظت دین کا سودا لیے ملک میں بے قرار پھر رہا تھا اور غالباً اکتوبر یا نومبر ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ میں وارد ہوا، معتمد الدولہ کی سرائے میں ٹھہرا اور اس کے بعد گھسیاری منڈی کو قیام گاہ بنایا، وہ فقیروں کے لباس میں تھا، اور سب جانتے ہیں کہ وہ مولانا احمد اللہ شاہ کے سوا اور کون ہوسکتا ہے" (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص: ۲۱۳)۔ پراسرار چپاتی والا واقعہ آپ ہی کی ذات عالیہ سے وابستہ ہے، آپ ہی نے اس کام کو شروع کرایا تھا۔

بلدیو سنگھ نامی ایک شخص نے غداری کرکے دھوکے سے مولانا کو گولی ماری، پس جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مجاہد اعظم شہید ہوگیا۔

۷۔جاں باز برہمن: مولانا احمد اللہ شاہ سے عقیدت واحترام کے اظہار کا سب سے اچھا طریقہ یہ تھا کہ وہ کام پورا کیا جائے جو انھوں نے شروع کیا تھا، چنانچہ اس کا بیڑہ ایک دلیر برہمن ویدی ہنومان نے اٹھایا، جس نے ۱۷/جنوری ۱۸۵۸ء کو انگریزوں پر حملہ کیا، یہ بہادر برہمن صبح سے شام تک لڑتا رہا اور شام کو زخمی ہوکر گرفتار ہوگیا۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص:۲۲۸)

۸۔ماڑے خاں: بجنور کے انقلابی سردار نواب محمود خاں کا سپہ سالار ماڑے خاں بہادر اور جری شخص تھا، اس نے کئی معرکوں میں انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے اور بجنور کا انتظام مکمل کرنے کے بعد دوسرے علاقوں میں اپنی بلند ہمتی کے جوہر دکھاتا رہا، امروہہ میں سید گلزار علی کی بھی ماڑے خاں نے امداد کی تھی، اس کی بہادری اور جرأت کے افسانے دور دور تک مشہور تھے۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص:۳۵۰)

۹۔دیوان حکمت اللہ: فتح پور کے ڈپٹی مجسٹریٹ حکمت اللہ انقلابیوں کے رہ نما بھی تھے۔ یہاں ۱۲/جولائی ۱۸۵۷ء کو نانا صاحب کی فوجوں سے انگریزوں کا تصادم ہوا اور قبضہ کے بعد حسب دستور فتح پور کے باشندے ہولناک ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے۔ دیوان حکمت اللہ نے آخر تک انگریزی فوجوں کا دلیرانہ مقابلہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کو بھی پھانسی دی گئی، لیکن کس طرح؟ ولیم میور لکھتا ہے: "معلوم ہوتا ہے کہ دیوان کو موت کی سزا دینے میں بڑا بھونڈا طریقہ اختیار کیا گیا، سپاہیوں کو اجازت دی گئی کہ اس بدبخت کے منہ میں سؤر کا گوشت ٹھونسیں"۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص:۳۵۱)

۱۰۔احمد خاں کھرل: ملتان کا احمد خاں کھرل بڑا بہادر انقلابی سردار تھا، ملتان ڈویژن کے علاقے گوگیرہ میں اس نے انقلابیوں کی رہ نمائی کی اور ۱۷/ستمبر کو بغاوت شروع ہونے پر اس نے سرگرم حصہ لیا، احمد خاں نے انگریزوں سے متعدد مقابلے کئے اور ان کو نئے سامان جنگ سے مسلح ہونے کے

باوجود انتہائی حیران و پریشان کیا، اس نے شاہ دہلی کی حمایت کا باقاعدہ اعلان کیا تھا، آخر کار ۲۱/جنوری ۱۸۵۸ء کو زبردست مسلح فوجوں نے اس کا تعاقب کیا، احمد خاں بہادری سے مقابلہ کرتا رہا اور بڑے بڑے انگریز افسران ان تصادموں میں کام آ گئے، ایک ایسے ہی زبردست تصادم میں احمد بھی گولی کا نشانہ بن گیا، مگر اس کے ساتھیوں نے انگریزوں کا پیچھا نہ چھوڑا، وہ لمبی گھاس میں چھپ کر انگریزی سپاہیوں کو گولی کا نشانہ بناتے تھے، بڑی مشکل سے ان پر قابو پایا جا سکا۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص: ۳۵۳)

۱۱۔فضل علی: فضل علی لکھنؤ کے ایک جنگ جو شخص تھے، انھوں نے غالباً فروری ۱۸۵۷ء میں بدھنی ضلع تلسی پور کے تھانے پر چھاپہ مارا اور دس بارہ سپاہیوں وغیرہ کو مار کر غائب ہو گئے، اس کے بعد ایک مرتبہ مارچ ۱۸۵۷ء میں کمشنر گونڈہ سی۔ای۔ بالیوں سے اچانک راہ میں مڈبھیڑ ہو گئی، شیخ فضل علی کمشنر کے کئی ساتھیوں کو قتل و زخمی کر کے فرار ہو گئے۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص: ۳۵۳)، انگریز برابر ان کی تاک میں رہتے تھے، بالآخر انگریزوں کو ان کے نیپال میں ہونے کا علم ہوا تو انگریز فوجی و افسران نیپال گئے، نیپال کی سرحد پر باہم مقابلہ ہوا، فضل علی نے اپنے جاں باز ساتھیوں کے ہمراہ خوب شمشیر زنی کی، بعض کہتے ہیں کہ فضل علی اس جنگ میں قتل ہو گئے اور بعض کہتے ہیں کہ پہاڑوں میں پہلے ہی روپوش ہو گئے تھے۔

۱۲۔مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی: مولانا کفایت علی کافی خانوادۂ سادات کے ایک رکن، عالم، فاضل، طبیب اور قادر الکلام شاعر تھے، آپ ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت کے علمبرداروں میں تھے، نواب مجد الدین عرف نواب مجو خان کی آزاد حکومت میں صدر الشریعت تھے، جب مرادآباد میں انگریزوں کے حامی نواب رامپور کی بالادستی قائم ہوئی تو انگریزوں کے خلاف ایک فتویٰ جہاد مرتب کیا، اس فتویٰ کو دیگر مقامات پر بھی پہنچایا۔ ۲۵/اپریل ۱۸۵۸ء کو مرادآباد پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا تو یہ عظیم مجاہد ۳۰/اپریل ۱۸۵۸ء کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا، جس وقت آپ کو پھانسی کے لیے لے جایا رہا تھا، اس وقت آپ کی زبان پر عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ایک نعت شریف جاری تھی۔

(تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، ص: ۱۷۱)

۱۳۔سبز پوش عورت: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں (دہلی میں) بہادری کی جرأت آموز مثال ایک سبز پوش بوڑھی عورت قائم کر رہی تھی، یہ دلیر بڑھیا مردانہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوتی، شہر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرتی۔ ”آؤ چلو خدا نے تمھیں بہشت میں بلایا ہے“۔ شہر کے لوگ اس کی مجاہدانہ صدا سن کر جوق در جوق اس کے ہمراہ ہو جاتے، وہ ان کو لے کر بہادری سے انگریزوں پر حملہ کرتی، اس کا وار بے پناہ ہوتا، وہ تلوار اور بندوق سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی ڈالتی تھی، اگر اس کے ساتھی بھاگ جاتے تو یہ جنگجو اور دلیر بڑھیا تنہا جنگ کرتی اور پھر زندہ واپس آ جاتی، بعض لوگ چشم دید قصہ کہتے ہیں کہ اس عورت میں غضب کی دلیری تھی، اس کو موت کا کچھ بھی خوف نہ تھا وہ گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بہادر سپاہیوں کی طرح آگے بڑھتی چلی جاتی، کبھی اس کو پیدل دیکھا جاتا، کبھی گھوڑے پر، وہ تلوار اور بندوق چلانے میں ماہر تھی، اس کی جرأت اور ہمت دیکھ کر شہر کے عوام میں بڑا جوش پیدا ہو جاتا تھا، واپس آ کر وہ کہاں جاتی تھی؟ وہ کون تھی؟ کسی کو پتا نہ چل سکا، آخر ایک دن ماہ جولائی میں (غالباً ۲۷۔۲۸) وہ جنگ کرتی ہوئی انگریزی مورچے کے قریب جا پہنچی مگر زخمی ہو کر گھوڑے سے گری اور گرفتار کر کے انبالہ بھیج دی گئی۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص: ۱۴۴)

۱۴۔شہزادہ فیروز: وسط ہند کی تحریک آزادی کی داستان شہزادہ فیروز شاہ سے متعلق ہے اور اسی کے گرد گھومتی ہے، وطن کا یہ مرد مجاہد ۱۸۵۵ء میں دہلی سے روانہ ہوا اور مختلف ملکوں کا دورہ کر کے ۱۸۵۷ء میں وطن لوٹا، پہلے دہلی آیا اور دہلی سے سیتا مئو نمودار ہوا، یہاں سے مندسور آ گیا اور آزادی وطن کی جدوجہد میں عملی طور پر شریک ہو گیا، اس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا، اس کی انقلابی سرگرمیوں کو دیکھ کر جلد ہی عوام کی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ ہو گئی، جن میں زیادہ تر افغانی اور مکرانی تھے جنھوں نے شہزادے کی سرکردگی میں شہر پر قبضہ کر کے گونر اور کوتوال کو قید کر لیا اور فیروز شاہ کی حکومت کا اعلان کر دیا، فیروز شاہ یہاں چین سے نہیں بیٹھا، بلکہ اس نے ملک کے دیگر صوبوں اور شہروں کا بھی دورہ کر کے وہاں کے باغیوں کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص: ۳۰۱ تا ۳۰۴)

ابھی تک صرف چند گمنام مجاہدین جنگ آزادی کا ذکر یہاں پر کیا گیا ہے، ورنہ ایسے سیکڑوں فریڈم فائٹرس ہیں جنھیں ہم بہت کم جانتے ہیں۔

عالم اسلام

غزہ – دورِ حاضر کا شعب ابی طالب

نعمان اختر ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

بعثت نبوی کا ساتواں سال تھا، کفار مکہ کی شرارت بڑھتی ہی جا رہی تھی، ہر سو ظلم و زیادتی کے مہیب اندھیرے تھے، اہل ایمان کو ہراساں کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد ہو رہے تھے، اس کے باوجود اہل ایمان تمام کلفتوں کو برداشت کرتے ہوئے خدائے ذوالجلال کی وحدانیت کے نغمے گنگناتے اور کار دعوت کے فرض منصبی کو ادا کرنے میں مشغول تھے، اسلام کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا، یہ بات اُس وقت کے سُپر پاور قریش اور اہل مکہ کو کھائے جا رہی تھی، مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی روک تھام کے لیے میٹنگ ہوئی، اس بار مسلمانوں کے صبر کا آخری امتحان لینے کا منصوبہ تھا، انھیں بھوکا پیاسا موت کے گھاٹ اتار دینے کا پختہ ارادہ تھا، انھیں مکمل سماجی مقاطعہ میں جھونک دینے کا فیصلہ ہوا، ان کے تجارتی، معاشی اور سماجی بائیکاٹ پر معاہدہ ہوا اور سرزمین مکہ ان پر تنگ کر دی گئی، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان اور مسلمانوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اہل ایمان کی آزمائش بڑی سخت تھی، اسبابِ زندگی ختم ہو گئے، فاقہ کشی کی نوبت آ گئی، بچے بھوک سے بلبلانے لگے، انھیں دیکھ کر عورتوں کے کلیجے منہ کو آتے تھے، حالات اس حد تک سنگین ہو گئے تھے کہ روئے زمین کے افضل و اشرف ترین لوگ گھاس اور درخت کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے، تعذیب کا یہ سلسلہ چند روزہ نہیں تھا بلکہ تین سال کی طویل مدت تک جاری رہا، اہل ایمان موج حوادث کے سامنے مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے رہے، ظلم سہتے رہے اور حق کہتے رہے، بالآخر وہ سرخرو ہوئے، باطل شکست سے دوچار ہوا، ساڑھے چودہ سو سال گزر جانے کے بعد آج تاریخ فلسطین کے چھوٹے سے علاقہ غزہ میں شعب ابی طالب کا وہی منظر پیش کر رہی ہے، ایک طرف دنیا کے سپر پاور ممالک اپنے تمام وسائل و اسلام دشمنی کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، جدید ترین ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی سے نہ صرف لیس ہیں بلکہ ان کے استعمال کے لیے مطلوب قساوت قلبی اور درندگی کی انتہا پر ہیں، بیرونی امداد کے تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں، دواؤں اور غذاؤں کی قلت نے لاکھوں انسانوں کو موت کی دہلیز پر لا کھڑا کیا ہے، بیمار اپنی بیماریوں سے جوجھ رہے ہیں، زخمیوں کے زخم بے مرہم ہیں کوئی مداوا کرنے والا نہیں، بچے بھوک سے روتے اور بلبلاتے ہیں، مائیں عالمِ بے بسی میں ادھر اُدھر بھاگ کر کھانا تلاش کرتی ہیں لیکن ایک دانہ بھی نصیب نہیں ہوتا، مرد اپنے آل و اولاد کی تکلیفیں دیکھ کر کڑھتے ہیں لیکن بے بس ہیں، پورے کے پورے علاقے اور بلند و بالا عمارتیں کھنڈرات اور راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکے ہیں، اب وہاں انسان ہیں نہ ہی اسباب زندگی، کوئی سائل ہے نہ مجیب، ہر طرف بھوک مری اور موت کا سناٹا ہے، ہر ایک شجر و حجر بربریت و سفا کی کی خاموش داستان ہے، ایک ایک ذرہ ظلم و زیادتی کی تصویر ہے حالات اس قدر سنگین ہیں کہ اقوام متحدہ، یونیسف اور دہشت گردی کی سرپرستی کرنے والے بہت سارے گونگے بہرے یورپین ممالک بھی چیخ اٹھے کہ اگر اب بھی جنگ بندی نہ ہوئی تو بمباری سے بچنے والے بھوک کی خوراک بن جائیں گے۔ الجزیرہ، دی گارجین (The Guardian) بی بی سی، دی نیویارک ٹائمز (The New York Times) وغیرہ کی رپورٹ کے مطابق فیمین Famine (قحط عام) کے کلیدی اشارے acute malnutrition یعنی شدید ترین غذائی قلت کی سطحیں خطرناک حد سے تجاوز کر چکی ہیں۔ 39٪ لوگ کئی دن بھوکے رہتے ہیں، اور تقریباً ملنے والے افراد محسوس کر رہے ہیں کہ "قحط جیسی حالت" ہے۔ غزہ کے بچوں میں شدید غذائی قلت کی شرح چار گنا بڑھ چکی ہے بی شہر غزہ میں پانچ سالہ بچوں میں یہ شرح اب 5.16٪ ہے! بچوں کی حفاظت کے لیے خوراک پہنچانا، اور humanitarian access کو فوری طور پر ممکن بنانا لازمی قرار دیا گیا ہے یہ امریکہ و یورپین ایجنسیوں کے محتاط اندازے ہیں جبکہ زمینی حقیقت اس سے بھی زیادہ قابل رحم ہے، البتہ ایک صفت جو شعب ابی طالب اور غزہ کے متاثرین میں یکساں ہے وہ ایمان کی صلابت اور محیر العقول ثابت قدمی ہے، ایسی سخت آزمائش اور مصیبتوں کے اس طوفان میں بھی حماس کے خلاف کوئی حرف شکوہ نہیں، مغربی ممالک اور اپنوں کے پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر کوئی احتجاج نہیں بلکہ ان کی زبانیں خدا کی حمد و ثناء سے لبریز ہیں، مائیں اپنے جگر پاروں کی شہادت پر خدا شکر بجا لاتی ہیں، نوجوان راہ خدا اور نام اسلام پر جان قربان کرنے کے لیے دیوانہ وار چلے جاتے ہیں، محبت و فدائیت کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جن سے قرن اول کی یادیں تازہ ہو گئیں غزہ کی سرزمین شہداء کے خون سے لالہ زار ہے، خدا کا اٹل اور بے لاگ قانون ہے کہ جوں جوں رات کی تاریکی بڑھتی ہے تو صبح کی روشنی قریب ہو جاتی ہے، خدا کی ذات پر یقین ہے کہ انھیں اندھیروں سے روشنی کا وہ سورج طلوع ہوگا جو تاریکیوں کے تمام پردے چاک کر دے گا اور جیسے شعب ابی طالب کے مظلوموں کو فتح نصیب ہوئی تھی غزہ کے اہل ایمان بھی ویسے ہی ظفریاب ہوں گے۔

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

مولانا خالد ندوی غازیپوری کی چند تالیفات:

دار العلوم ندوۃ العلماء کے سینیر استادِ حدیث اور عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری حفظہ اللہ کی شخصیت علمی ودعوتی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں؛ آپ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مایہ ناز استاد، خوش آہنگ خطیب اور کہنہ مشق شاعر وصاحبِ اسلوب ادیب ہیں۔

ایک طویل عرصہ سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں خدمتِ تدریس انجام دے رہے ہیں، خاص طور پر چالیس سال سے زائد کا عرصہ آپ کو یہاں حدیث کا درس دیتے ہوئے گذر چکا ہے، بالخصوص 'صحیح بخاری' کافی عرصہ سے آپ کے زیرِ درس ہے، جس سے فنِ حدیث پر آپ کی گہری نظر اور اس فن کے دقائق سے واقفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے مولانا موصوف کی تین تالیفات ہیں، جن میں دو کا تعلق صریح طور پر فنِ حدیث سے ہے، ان میں سے ایک کتاب ''سید المحدثین امیر المؤمنین فی الحدیث اور صحیح بخاری کی خصوصیات'' کے نام سے جب کہ دوسری ''صحیح مسلم کی خصوصیات'' سے موسوم ہے۔

حدیثِ نبوی کا نام آئے اور اصحاب نبی کا ذکر نہ ہو، ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟! جنھوں نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی اک اک ادا کو نگاہِ عقیدت سے دیکھا، دل ودماغ میں بسایا، اور پوری امانت ودیانت کے ساتھ امت تک پہونچایا، لہٰذا تیسری کتاب ''صحابۂ کرامؓ کی زندگی کے روح پرور واقعات'' کا عنوان رکھتی ہے۔

آیئے! ایک ایک کرکے ہر کتاب پر نظر ڈالتے ہیں:

(۱)

''سید المحدثین أمیر المؤمنین فی الحدیث اور ان کی کتاب صحیح بخاری کی خصوصیات''

یہ کتاب تقریبا دوسو ستر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کے احوال وکوائف کو جامع ومؤثر انداز میں پیش کرکے ان کی معرکۃ الآراء کتاب 'صحیح بخاری' کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔

کتاب کل تین ابواب پر مشتمل ہے؛ پہلا باب ''سیرتِ امام بخاریؒ'' کو بیان کرتا ہے، جس میں ان کے بچپن سے لے کر وفات کے بعد تک کے اہم احوال وکوائف ذکر کیے گئے ہیں، دریں اثناء امام صاحبؒ کی شخصیت کے ہر گوشہ سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے، خواہ وہ ان کا حسب نسب ہو تعلیم وتربیت ہو، علمی ذوق ہو، روحانی مقام ہو، فقہی مسلک ہو، اوصاف وکمالات ہوں، یا اخلاق وکردار ہو، تالیفی وتصنیفی خدمات ہوں، ابتلاء وآزمائش ہو، اور آخر میں 'صحیح بخاری' کی تالیف میں امام صاحبؒ کے اسلوب وشروط، احترام وادب، مقصود وغرض، اور مقام ومرتبت کو ذکر کرتے ہوئے ختم کیا گیا ہے۔

دوسرا باب 'صحیح بخاری' کی 'خصوصیات وامتیازات' کے عنوان سے معنون ہے، جس میں کتاب اور اس کے مندرجات سے متعلق امور جیسے 'ترجمۃ الباب'، 'اصولِ تراجم'، 'تعلیقات بخاری'، حدیث سے استنباط کرنے میں امام صاحبؒ کے اصول وضوابط، مختلف حدیثی وفقہی مباحث میں امام صاحبؒ کا موقف وغیرہ اہم ترین موضوعات کو پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں تدریب کے طور پر بخاری شریف کی دس احادیث کی تخریج کے نمونے پیش کیے گئے ہیں، جو طلبۂ علم کے بڑی دلچسپ اور مفید چیز ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں خود صاحبِ تالیف نے 'عرضِ حال' میں ذکر کیا ہے کہ بہت سے مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے، تاہم دو کتابیں ایسی ہیں جن سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے، ان میں ایک کتاب مولانا خالد سیف اللہ قاسمی صاحب مہتمم جامعہ رشید العلوم گنگوہ کی 'سید المحدثین' اور مولانا محمد اقبال صاحب ٹنکاروی کی کتاب ''امام بخاری کا طریقۂ استدلال''۔

(۲)

''صحیح مسلم کی خصوصیات''

دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل مولانا موصوف کی یہ دوسری کتاب' حدیث کی دوسری بڑی کتاب 'صحیح مسلم' کے حوالہ سے ہے۔

اس کتاب میں مولانا نے تاریخ و علومِ حدیث کے بڑے اہم مباحث کا خلاصہ پیش کردیا ہے، جن کے بغیر اس فن میں ایک قدم بھی آگے بڑھنا دشوار ہے۔ اس کے ضمن میں تدوینِ حدیث، روایت و درایتِ حدیث، حجیت حدیث، جرح و تعدیل، عنعنۃ الرواۃ، صحاح ستہ کا فرقِ مراتب، اور ساتھ میں صحیح مسلم کی خصوصیات، اس کی شروح و مستخرجات، اس کے مقام و مرتبہ، امام مسلم کی شروطِ صحت، اور بہت سے دیگر مباحث جو اہم بھی ہیں اور چشم کشا بھی' اس طور پر ذکر کردیے گئے ہیں کہ قاری کو تشفی ہوجاتی ہے۔

مقدم الذکر کتاب کی طرح یہاں بھی صحیح مسلم کی دس احادیث کی تخریج کا نمونہ از راہِ تدریب آخر میں دیدیا گیا ہے، جن کو سامنے رکھ کر دیگر احادیث کی تخریج کا طریقہ معلوم ہوجاتا ہے۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ حدیث کی امہات الکتب اور بہ طورِ خاص صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تدریس محض حدیث کا ترجمہ و مطلب بیان کردینے کا نام نہیں؛ بلکہ مصنف، اس کی تالیف، فن اور اسناد و رواۃِ حدیث، سب کے متعلقات کے مجموعہ سے بحث کرکے غموض و ابہام کے بادل چھانٹے جاتے ہیں، تب جاکر مطلع صاف ہوتا ہے، اور ایک طالب علم کو مہرِ نبوت کی وہ روشنی نصیب ہوتی ہے جو اس کے دل و دماغ کو منور کرتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے مطالعہ سے وہ روشنی حاصل ہوتی ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو۔

مولانا موصوف کی ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ مولانا کو علومِ حدیث کے مطول و مفصل مباحث کو نہایت آسان اسلوب میں انتہائی جامعیت واختصار کے ساتھ پیش کرنے کا ہنر آتا ہے؛ انھوں نے سینکڑوں نہیں' ہزاروں صفحات میں پراگندہ مضامین کو اپنے حسنِ انتخاب اور باسلیقہ پیش کش سے اس طرح دریا بکوزہ کردیا ہے کہ اہلِ علم ہی اس کی قدر جانیں گے، اور طلبۂ علم بآسانی استفادہ کریں گے۔

صحیحین کے پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے یہ دونوں ہی کتابیں مولانا موصوف کی طرف سے کسی گراں قدر تحفہ سے کم نہیں۔

(۳)

صحابۂ کرام کی زندگی کے روح پرور واقعات

تقریبا دوسو صفحات کی یہ کتاب ہے۔ 'صحابۂ کرام کی زندگی' کا عنوان تغلیبا ہے، ورنہ خود نبی کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کے متعدد واقعات اس میں مذکور ہیں۔ خود صاحبِ کتاب کے نزدیک یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ: ''امتِ محمدیہ ان کی سیرت اور سرگرمیوں، نیز ان کی والہانہ محبت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شیفتگی سے بھرپور فائدہ اٹھائے، اور ان کی دین کے لیے قربانی، ایثار، جاں سپاری، اور جانکاہی کے نمونے ان کی زندگی سے حاصل کرکے اور عمل کے ذریعہ اپنی محبت اور شیفتگی کا مظاہرہ کرے، اور ان کی سیرت کے واقعات سے خوشہ چینی کرکے اپنی زندگی کے شمع حیات کو فروزاں رکھے''۔

یہ کتاب زیادہ تر عہدِ نبوی کی داستانِ دعوت و عزیمت سناتی ہے، جس کو پڑھ کر آپ علیہ السلام اور آپ کے اصحابؓ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور ان کی عظمت کے سامنے سر جھک جاتا ہے۔ مولانا موصوف نے اس داستان کو خوبصورت زبان اور البیلے اسلوب میں پیش کیا ہے، اور نہ صرف یہ کہ پیش کیا ہے؛ بلکہ ہر واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد اس کے فوائد و نتائج، اور اس سے حاصل ہونے والے دروس وعبر، اور اس سے مستنبط اصول و ضوابط نمبر وار نکات کی شکل میں پیش کیے ہیں۔ یہ نکات دو یا تین نہیں؛ بلکہ کہیں کہیں اٹھارہ بیس کی تعداد تک پہونچ گئے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے کس دیدہ ریزی سے ان واقعات کا مطالعہ کیا ہے، اور ان کو اللہ تعالی نے کیسی ژرف نگہی عطا کی ہے۔

اس کے علاوہ ہر واقعہ کو ایسا خوبصورت عنوان دیا گیا ہے جو طبیعت میں سرمستی پیدا کرکے قاری کو پڑھنے پر مجبور کردے۔ عوام ہی نہیں خواص بھی اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی روح کے لیے سرشاری، ذہن کے لیے تازگی اور دل کے لیے حرارت کا سامان مہیا کرسکتے ہیں۔

تینوں کتابیں خوبصورت طباعت کے ساتھ 'جمعیت المعارف الاسلامیہ، ٹیگور مارگ نزد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے شائع ہوئی ہیں۔ اول الذکر کی قیمت ۲۵۰، ثانی الذکر کی ۲۰۰ اور مؤخر الذکر کی ۱۷۰/روپیہ تجویز کی گئی ہے۔

ندوہ کیمپس اور اس کے اطراف کے کتب خانوں سے طلب کی جاسکتی ہیں، رابطہ کے لیے:

۹۹۸۴۷۷۸۸۰۰

فکر اسلامی

غیر مسلموں سے تعلقات

محمد نفیس خان ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

اسلام اپنی خصوصیات اور اپنی تعلیمات و نظریات کی بنیادوں پر ایک مستقل تہذیب کا حامل ہے، وہ اپنے ماننے والوں کو زندگی گذارنے کا ایک طریقہ، بود وباش کے مستقل اصول، اور معاشرت کے ٹھوس احکام دیتا ہے، لیکن اپنے امتیازات کے باوجود وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ مسلمان معاشرہ میں رہنے والی دوسری اقوام سے بے تعلق اور ان کے معاشرتی مسائل سے ناواقف ہوں۔

اسلام ایک دین فطرت ہے، وہ رہبانیت و سنیاس کے بجائے اجتماعی وتمدنی اصول پر معاشرہ کی بنیاد رکھتا ہے، اور اسے پروان چڑھانے اور مستحکم کرنے کی پوری حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے، اس کے ماننے والے انفرادی معاشرہ میں رہتے ہوں یا مخلوط معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوں ہر دوصورت میں وہ غیر مسلموں سے تعلقات کو پسندیدگی نظر سے دیکھتا ہے، اور مسلمانوں کو غیر مسلموں تک اسلامی دعوت کو پہنچانے کی تلقین بھی کرتا ہے، چنانچہ غیر مسلموں سے میل جول اور ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات نہ صرف تمدنی زندگی کا ایک حصہ اور سماجی ضرورت ہے بلکہ ایک دینی تقاضا بھی ہے۔

غیر مسلموں کے تعلق سے اسلام نے جو حقوق ومراعات بیان کیے ہیں وہ اعلی اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کی دلیل ہے، اسلام اگرچہ عقیدہ کے معاملہ میں بے حد حساس واقع ہوا ہے مگر اس کے باوجود عام انسانی تعلقات کی اس نے بھرپور رعایت کی ہے، اور ایسے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کو پسند کیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویا نہ رکھتے ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جس طرح وحدت الہ کی تعلیم دی ہے اسی طرح وحدت انسانی کا درس بھی دیا ہے، اور مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں اس کو بار بار واضح بھی کیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے انسانی رشتوں کی بنیاد رحم دلی، ہمدردی اور آپسی محبت پر رکھتے ہوئے فرمایا: "**ارحموا من في الارض يرحم من في السماء**" یعنی تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اسی طرح آپ کا یہ فرمان بھی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے کہ "**الخلق عيال الله فأحب الخلق الى الله من احسن الى عياله**" یعنی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ اسلام کی یہ وہ لازوال تعلیمات ہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں برتی گئی ہے، بلکہ انسانیت کو سارے تعلقات میں اہم مقام دیا گیا ہے۔

ہمارے ملک ہندستان میں فسطائی طاقت رکھنے والوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم تعلقات کو استوار نہ ہونے دیا جائے، اس کے لیے ہر طرح کے پروپیگنڈوں کا استعمال بھی کیا جاتا ہے، نصابی کتابوں میں زہر لیے مواد داخل کر کے حقائق پر پردہ ڈالا جاتا ہے، فسادات کرائے جاتے ہیں، عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے، نامناسب الزامات لگائے جاتے ہیں، بے جا گرفتاریاں کی جاتی ہیں، نوجوانوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے، سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں تعصب برتا جاتا ہے، اور اس میں میڈیا کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، ایسے حالات میں مسلمان اپنی دفاع میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پاتے، کیونکہ حریف کی آواز میں اتنی شدت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی چیخ وپکار بھی دب جاتی ہے، ایسے حالات میں سب سے زیادہ نقصان اس ملک کا ہوتا ہے، اور اس کی ترقی کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے، اور چونکہ ملک کی ترقی اور اس کی خوشحالی کی اہم ذمہ داری خود مسلمانوں کی بھی ہے، اس لیے ان کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ ہندو مسلم منافرت کی جو فضا بنائی جارہی ہے اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور اس کا مؤثر اور ٹھوس اقدام یہی ہے کہ غیر مسلموں کے ذہنوں کو صاف کیا جائے اور اسلام کی حقیقی تصویر ان کے سامنے پیش کی جائے، اور اس کا بہترین طریقہ ان کے ساتھ بہتر تعلقات ہیں۔

لیکن یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام نے جس طرح غیر مسلموں سے حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور اس کو پسند کیا ہے وہیں اس کے کچھ حدود بھی متعین کیے ہیں، چنانچہ اس نے عام انسانی وسماجی تعلقات کی اجازت ضرور دی ہے لیکن ایسے تعلقات سے منع کیا ہے جس سے اسلام کی تعلیمات پر زد پڑتی ہو چنانچہ غیر مسلموں کی ایسی مجلسوں میں شرکت کی اجازت نہیں جس میں

اسلامی تعلیمات یا اسلامی شخصیات کا مذاق اڑایا جاتا ہو، ان کے مذہبی پروگراموں میں شرکت کرنا، ان کے جیسا لباس یا رہن سہن اختیار کرنا، ان کے مذہبی رسوم کو صحیح سمجھنا، مسلمانوں کے خفیہ رازوں پر ان سے گفتگو کرنا اور ایسی ہم نشینی اختیار کرنا جس کے منفی اثرات اخلاق و کردار پڑتے ہوں، اس طرح کے تعلقات کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

لیکن افسوس آج کے حالات کچھ اسی طرح ہیں کہ ایک بڑی تعداد غیر مسلموں سے تعلقات کے نتیجہ میں ان سے اس حد تک متاثر ہے کہ بسا اوقات وہ معاشرہ کے باغی ہوجاتے ہیں اور اسلام کو بدنام بھی کرتے ہیں، آج کل اخبارات میں جب جرائم پیشہ افراد کے نام چھپتے ہیں تو ان میں مسلمانوں کے نام بھی شامل ہوتے ہیں، معاشرہ میں شاید ہی کوئی ایسی برائی ہو جس میں کوئی مسلمان ملوث نہ ہو، چوری، جوا، شراب، فریب، لوٹ، رشوت اور نہ جانے کون کون سی معاشرتی خرابیاں ہیں جن میں سر عام مسلمانوں کے نام اچھالے جاتے ہیں، اور اس سے پورا مسلم معاشرہ بدنام ہوتا ہے، اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ بغیر کسی اسلامی بندش کے تعلقات رکھنا، پورے طور پر ان کے ساتھ معاشرت اختیار کرنا، اور نتائج سے آنکھیں بند کرکے ان کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا اور ان کے ثقافتی پروگراموں میں شرکت کرنا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات میں افراط و تفریط نہ ہونے پائے، نہ ان سے اتنی قربت بڑھائی جائے کہ اسلامی شعار اور ملی تشخص متاثر ہو اور نہ اس قدر دوری اختیار کی جائے کہ وہ مسلمان اور اسلامی تعلیمات کو سمجھ ہی نہ سکیں، اور غلط فہمی میں مبتلا رہیں!

راہِ عمل

انسان کا مقصودِ آفرینش

محمد جاوید اختر ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

امت مسلمہ کی طویل تاریخ ہمارے سامنے اس دن سے ہے جب کہ مکہ میں ان کی تعداد نہایت کم تھی، اور وہ بہت کمزور سمجھے جاتے تھے، اندھی جاہلیت کا ان پر دبدبہ تھا، روم وایران کے لوگ ان پر ٹوٹے پڑے تھے، صلیبی اور تاتاری حملوں نے ان کو منتشر اور نڈھال کردیا تھا، اور پھر سامراجیت و صہیونیت کا دور آیا جب وہ اپنے ناپاک ترین منصوبے اور کارپردازان کے ساتھ اسلام کو پسپا اور نیست و نابود کرنے میدان میں آئی، مگر یہ ساری شیطانی طاقتیں مل کر بھی اسلامی دعوت کا خاتمہ نہ کرسکیں؛ بلکہ اسلام کی مثال تو ہمیں اس خالص سونے کی طرح نظر آتی ہے جس کو آگ میں ڈالنے سے اس میں مزید چمک اور تازگی پیدا ہوجاتی ہے، یہیں سے ایک مسلمان کے لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کی اصل پونجی اس زندگی میں اس کا دین ہی ہے، جس کے بارے میں اس سے روزِ قیامت ضرور سوال کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کے علاوہ ہر چیز کا بدل اس دنیا میں موجود ہے؛ لیکن کوئی ایسی چیز اس زرق برق دنیا میں نہیں پائی جاتی جو اس کے خلا کو پُر کرے، اور اس کی نیابت کا فریضہ انجام دے۔

دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں میں خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ان حقائق پر ایمان لائے اور انہی کی روشنی و رہبری میں زندگی کا سفر طے کیا، اسی کے لیے مرے اور اسی کے لیے زندہ رہے، ان کو لوگ اگرچہ بوسیدہ کپڑوں، حقیر جگہوں اور ذلت و رسوائی کی حالت میں دیکھیں؛ لیکن وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں، رب حکیم وعلیم انہیں جس طرح بھی آزماتا ہے وہ کھرے اترتے ہیں، اور اللہ کے وعدے پر کلی اعتماد کرتے ہیں، جو کبھی بے وفا نہیں ہوتے، اس طرح ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے، جس کی معرفت انہی مخلص افراد کو حاصل ہوتی ہے جو اس کو محسوس کرتے ہیں، اس کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، اور وہ مدد اللہ کے اولیاء، دین حنیف کے انصار اور ملت اسلامی کے داعیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے، ان کے سامنے گھٹاٹوپ تاریکیوں میں بھی روشنی پیدا کردیتی ہے، اور ان کی دستگیری کرتی ہے، تاکہ وہ اپنا سفر جاری رکھیں اور سرزمین پر اللہ کا کلمہ بلند کردیں۔

ان حالات میں حق کے داعیوں کا فرض ہے کہ وہ کتاب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، اس کے احکام کو زندگیوں میں نافذ کریں، لوگوں میں قرآن کی دعوت اور لازوال پیغام کو عام کریں، نوجوانانِ ملت کے اخلاق کو قرآن کی روشنی میں سنواریں، دین و قرآن کی بنیاد پر امت کو ایک جھنڈے تلے جمع کریں، کہ قرآن مجید نے ہی قوموں کی اصلاح کی اور ان کو راہ ہدایت پر گامزن کیا ہے، اور ملک وملت کی تعمیر اسلامی نہج پر کریں کہ بس اسی میں کامیابی ہے اور یہی انسان کا مقصودِ آفرینش ہے۔

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالیٰ

Date 25th August 2025

تاریخ ۲۵/اگست ۲۰۲۵ء

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد عمار حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات A/c No. 1086 3759 711

تعمیرات A/c No. 1086 3759 733

زکوٰۃ A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK

https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا